اکوڑہ خٹک
الحق
نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
مدیر
سمیع الحق

بلند ہمّت
جَوانوں کی پسند
اُجَالا ڈینمِ
اور
صَدف شرٹِنگ
مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویئر ڈینم
خوشنما رنگوں میں لیجیے۔
صدف شرٹنگ بہت سے پکے رنگوں میں
دستیاب ہے۔
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش
آج جنکے دم سے رونق اور چہل پہل ہے۔
MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

MFTM-5-77

لہٗ دعوۃ الحق

نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

مدیر: سمیع الحق

فون نمبر دارالعلوم — ۴

فون نمبر رہائش — ۲

رجب ۱۳۹۸ھ
جون ۱۹۷۸ء

جلد نمبر: ۱۳
شمارہ نمبر: ۹

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ... روپے فی پرچہ دو روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک سے ۳ پونڈ، ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انقلاب کابل

مغربی افق کی سرخی

افغانستان میں خونریز فوجی انقلاب آگیا، انقلاب گر خون آشامیوں کی شرارت کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ قرب وجوار ہونے کے باوجود اب تک افغانستان کے حالات مبہم اور غیر واضح ہیں کوئی نہیں جانتا کہ انقلاب اپنی جلو میں کونسی تبدیلیاں لا چکا ہے۔ اور وہاں کے دین پہ مر مٹنے والے غیور مسلمانوں پر کیا گذر رہی ہے۔ مگر اتنی بات واضح ہو چکی ہے کہ انقلابی ٹولے کا تعلق کمیونسٹوں سے ہے، انقلاب اپنے ساتھ خون اور آگ کا طوفان لایا، کشت وخون کا بازار گرم ہوا، لاشوں کے پشتے لگ گئے برسرِ اقتدار طبقہ کو چن چن کر گولی کا نشانہ بنایا گیا، یہ بربریت اور تشدد بے ترسی اور بہیمیت اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ انقلاب سرخ انقلاب ہے، اشتراکی انقلاب جہاں بھی آیا اپنے ساتھ یہ سب کچھ لیکر آیا، اس لئے کہ جس نظام میں انسان کی انسانی اور اخلاقی قدروں کا کوئی مقام نہیں نہ اس کے ہاں تاریخ کی کوئی روحانی پاکیزہ نظریاتی تعبیر ہے۔ اس نظام کو نظریاتی طور پر کسی ملک میں قدم جمانا اس وحشت وبربریت رعب ودبدبہ اور ظلم وفساد کے بغیر ناممکن ہے، اشتراکی انقلابات کا موازنہ دیگر انقلابوں سے کر لیجئے تو آپ اتنا ہی فرق پائیں گے جتنا کہ خود انسانیت اور بہیمیت کا فرق ہے۔ افغانستان کے عوام کی دینی صلابت، اسلام سے اٹوٹ دیرینہ وابستگی قدیم اقدار و روایات سے مستحکم رشتہ علماء و مشائخ کے اثرات ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بظاہر یہ انقلاب ایک حیرتناک ناگہانی دھماکہ سا لگتا ہے مگر یہ ایک سطحی بات ہوگی۔ اس خوش فہمی نے یا احساس مسئولیت کے فقدان نے عالمِ اسلام بالخصوص عالم عرب کو بھی افغانستان کے بارہ میں مجرمانہ تغافل میں ڈالے رکھا، اور یہ کہنے میں باک نہیں کہ عالمِ اسلام نے افغانستان کو بہت حد تک غیر دین کے

رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا، برطانوی استعمار اور امپیریلزم کے ہر دور میں افغانستان دنیا کی بڑی طاقتوں کا نشانہ بنا رہا مگر یہاں کے مومن اور غیور باشندوں نے استخلاص وطن حریت اور دین و مذہب کی حفاظت میں ایک ایسا طویل معرکہ سر کیا جسکی نظیر اقوام عالم میں مشکل ہے اور جو کھلی ڈیڑھ دو صدیوں پر محیط تھا دشمن اسلام اقوام اور تہذیبوں سے نفرت کی شدت کہئے کہ افغانستان نے اپنے اوپر عصر جدید کی وہ تمام ترقیات بھی حرام قرار دیئے تھے جو مغرب کی سائنسی ٹکنالوجی اور تعلیمی محیر العقول انقلابات کے ذریعہ ساری دنیا اور اسلامی ممالک میں پذیرائی پا رہے تھے۔ پھر جب عالم اسلام نے غلامی کے طوق اتار پھینکے اور صنعتی میدانوں میں بے بس اور پسماندہ محسوس کیا، اب کابل نے صدیوں کے جمود کو ایک ہی وار میں توڑنا چاہا اور جیسا کہ جمود و غفلت میں بے اعتدالی تھی، عصر حاضر کی ترقیات اور چمک دمک کی چکا چوند میں بھی اعتدال کے دامن ہاتھ میں قائم نہ رکھ سکا، یورپین تہذیب و تمدن کی اچھائیوں سے زیادہ برائیوں کا مال غنیمت اس کے حصہ میں زیادہ آیا کابل شہر کے موجودہ تمدن کا افغانستان کے اطراف واکناف کی بستیوں کے تصلب ایمانی اقدار اور قومی روایات سے وابستگی سے موازنہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ ملک صدیوں کی مسافت، ایک ہی گام میں طے کرنے کے درپے ہے۔ بہر حال ایسے تاریخی عوامل اور حالات میں اور افغانستان کی اہم ترین جغرافیائی نزاکتوں کے پیش نظر پورے عالم اسلام کا فریضہ تھا کہ اسے خصوصی توجہات میں رکھتا کہ اسکی ترقی پذیر ضرورتیں اور تقاضے دیگر اسلامی ممالک سے زیادہ توجہ طلب تھے، ملت مسلمہ کو ایک ہی جان اور ایک ہی جسم قرار دیا گیا ہے، مگر جسد واحد کی جان اور روح ہی جب جسم کو چھوڑ دے تو جسم کے مختلف اعضاء باہمی ارتباط کب تک قائم رکھ سکتے ہیں، اسلامی ممالک کے یہ اعضا اپنے اپنے طور پر اتنے آلام واسقام کا شکار ہیں کہ اوروں کی خبر لینے کی فرصت کہاں؟ افغانستان کے فوجی انقلاب نے ایک بار پھر مسلمانوں کے ان نام نہاد ترقی پسند حکمرانوں اور لیڈروں کو سبق دیا ہے جو ہوس اقتدار میں قومی و ملی مفادات سے اندھے ہو کر کمیونسٹوں مقدمۃ الجیش بن جاتے ہیں، سردار داؤد نے تخت اقتدار کی خاطر اپنی ترقی پسندی کا لبادہ اوڑھ لیا اور ۱۹۷۳ء میں اسی بل بوتے پر اپنے خاندان سے غداری کے مرتکب ہوئے اسکی خاطر اشتراکیت کے سرخ انگاروں کو بھڑکنے کی کھلی چھٹی دی اور یہ جنگل کی آگ جب

قابو سے باہر ہوگئی تو سب سے پہلے وہ خود اس آگ کی ایندھن بن گئے۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس۔

○

مگر اب سوال ان ممالک کا ہے جن کی سرحدات افغانستان سے ملی ہوئی ہیں، اگر یہ سرخ انقلاب خدانخواستہ آگے چل کر بلخ وہرات، کابل اور جلال آباد میں بھی سمرقند و بخارا کا سبق دہرانے کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ ولا فعلہا اللہ۔ تو پھر پاکستان اور ایران جیسے کابل کے پڑوسیوں نے اس آگ سے اپنے تحفظ کے بارہ میں کیا کرنا ہے۔؟ اگر خطرہ سر پر آگیا ہے۔ اور ہمارا مغربی افق سرخ ہوچکا ہے تو اس کا اوّلین نشانہ پاکستان اور بالخصوص اس کے سرحدی علاقے بن سکتے ہیں۔ اس آگ کا مقابلہ توپ و تفنگ سے نہیں نہ خون خرابے سے بلکہ بہترین تدبّر، اور منظم منصوبہ بندی سے ہوسکتا ہے۔ اس غیر نظریاتی ظالمانہ سیلاب کا سامنا نظریاتی انقلاب کر سکتا ہے، مادیت کو ایمان و یقین سے شکست دی جا سکتی ہے۔ اگر پاکستان کو بچانا ہے تو سب سے پہلے ہمیں عملاً وہ نظریاتی اسلامی انقلاب برپا کرنا ہوگا جس کا نعرہ ہم پچھلے چالیس سال سے سنتے آرہے ہیں۔ اور جس کی لَے میں پچھلے ایک سال سے نہایت گرمی آگئی ہے، مگر قول و عمل کے تضاد اور عملی پیش رفت میں ہمارا درجۂ انحطاط صفر تک پہنچ چکا ہے۔ اگر ہم نے فوری اور حقیقی معنوں میں اس ملک کو ایک نظریاتی مستحکم اسلامی ریاست نہ بنایا تو مقصدیت اور نظریاتی تشخص سے خالی کوئی بھی ملک کسی وقت بھی غیروں کے لئے نوالۂ تر بن سکتا ہے۔ اگر افغان حکمرانوں نے ملوکیت کی مستبدانہ زنجیروں میں وہاں کے علماء اور مشائخ کو جکڑا نہ ہوتا اور نہ اظہارِ حق اور حریت فکر اسلامی کے تمام راستوں پر پہرہ بٹھایا ہوتا اور ایک غیور اسلامی ملک سے عملاً شریعت کو ملک بدر نہ کیا ہوتا تو آج اسے یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

—— الغرض کابل کا المیہ پورے عالم اسلام کو دعوت فکر دے رہا ہے۔ وہاں کی ۹۵ فیصد دیندار متصلب اور متدین اکثریت مسلمانوں کے اس انبوہ کو دیکھ رہی ہے جو دنیا میں ایک ارب سے زائد تعداد میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور جسے اپنے آپ کو پہچاننے کی توفیق نہیں ہو رہی۔

سکولوں میں نصاب دینیات

سکولوں میں بچوں کے نصاب دینیات کی علیحدگی کا مسئلہ بھٹو دور حکومت میں اٹھا علماء حق اور ملک کے سنجیدہ طبقوں نے اسے قومی وحدت و یکجہتی کے خلاف سمجھ کر اس فیصلہ کے خلاف آواز اٹھائی مگر اس فسطائی حکومت کی بقا ہی جب افتراق و انتشار کی ایسی ہی ہنگامہ آرائیوں کی مرہون تھی تو وہ کب اس معقول آواز پر کان دھرتی اس نے نصاب کو الگ کر دیا، اب موجودہ حکومت نے بعد از خرابی بسیار اس فیصلہ پر نظر ثانی کی اور اسے واپس لینے کا مستحسن اقدام کیا مگر اس اقدام کے جلو میں خدشات اور پریشانیوں کی اور صورتیں پیدا ہوئیں، کہا گیا کہ نصاب دینیات کو متنازعہ امور اور مسائل سے پاک رکھا جائے گا اس سلسلہ میں ذمہ داران حل وعقد سے ابہام رفع کرنے کا کہا گیا، بے چینی بڑھتی گئی کہ "متنازعہ" تلوار سے اگر ذبح ہوگی تو ۹۵ فیصد اکثریت رکھنے والے اہل سنت کی سواد اعظم کہ ان کے نزدیک تو صحابہ کرام اور خلافت راشدہ بھی کوئی بھی متنازعہ نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ دین کے قطعی اور اجماعی امور عبادات کو بھی نزاعی سمجھ رہے ہیں۔

رہا خلافت راشدہ تو شیعہ زعماء واضح اعلان کر رہے ہیں کہ ہمیں نظام مصطفیٰ اور نظام شریعت کی وہ تعبیر منظور ہی نہیں جسے خلافت راشدہ کہا جا رہا ہے۔ (ملاحظہ ہوں ان کے اخبارات شیعہ وغیرہ)

ان خدشات کے پیش نظر کئی سنی تنظیموں نے اعیان حکومت سے وضاحت طلب کی، خود احقر ڈیرہ اسماعیل خان کی ایک جماعت "انجمن محبان صحابہ" کی خواہش پر اس کے وفد کے ساتھ وفاقی مشیر تعلیم خانزادہ محمد علی خان صاحب سے ملا، وہاں کی طویل بات چیت سے یہ خدشہ یقین میں بدل گیا کہ نئے نصاب دینیات میں عبادات کا حصہ نہیں ہوگا کہ اس میں کلمہ اور اذان بھی شیعوں کے ہاں نزاعی ہے اور نہ صدیق و فاروق، ذوالنورین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی مثالی سیرت و کردار کا کوئی ذکر ہوگا، اگر ایسا ہے تو حکومت یکجہتی اور وحدت کے کتنے ہی مخلصانہ جذبہ سے ایسا اقدام کیوں نہ کرے، سنی مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہرگز ہرگز ایسے کسی فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوگی، ایک طرف اسلامی انقلاب کے مژدے، خلافت راشدہ کے طور طریقوں کے احیاء کے چرچے، صبح و شام نظام خلافت راشدہ کا ورد اور دوسری طرف ایسی ناعاقبت اندیشانہ غیر معقول تجویز ــــــ؟

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اگر ہم اپنی تاریخ سے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو بھی نکال دیں تو ہمارے پاس رہ کیا جائے گا، اگر نصاب دینیات کو تاریخ اسلامی اور عبادات سے عاری رہنا ہے تو پھر چند آیات و احادیث کے ترجموں اور کچھ اخلاقی تعلیمات کو ــــ "نصاب دینیات" کہنے کا تکلف بھی نہ کیجئے۔ اگر ہم قوم کے معصوم بچوں سے توقع رکھیں کہ وہ تعلیمی زندگی کے بعد از خود تاریخ کے ضخیم دفاتر میں خلفاء راشدینؓ کے حالات اور فقہ و شریعت کے مطولات میں عبادات اسلامی کا مطالعہ کر لیں تو آگے چل کر وہ قرآن و حدیث اور اخلاقیات کا بھی مطالعہ کر لیں گے ان جھنجٹوں میں پڑیے ہی نہیں بلکہ نظام تعلیم کو سیکولر ہی بنا دیجئے۔ اللہ اللہ خیر سلا ویسے بھی ہمارے تعلیمی اداروں کی رونق شبنم اور زمرد ڈکیتی کیس کے "باہمت" نوجوان طالب العلم ہیروؤں کے دم قدم سے قائم رہے گی۔

وفیات فضلاء دارالعلوم دیوبند اور علمی حلقوں کے لئے یہ خبر موجب غم ہوگی کہ اس سال کے آغاز (جنوری) میں دارالعلوم دیوبند کے ایک معمر بزرگ استاذ مولانا سید اختر حسین صاحب کا انتقال ہوگیا مرحوم دارالعلوم کے مشہور عارف باللہ مدرس مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کے فرزند تھے پاکستان میں اکثر فضلاء دیوبند کو مولانا اختر حسین صاحب کا شرف تلمذ حاصل ہوگا افسوس کہ وفات کی اطلاع بہت تاخیر سے ملی۔

---

۱۱ مئی تین بجے شب جدہ میں ایک مشاعرہ کے دوران ادب و تنقید کا ایک چراغ گل ہوگیا یعنی مولانا ماہر القادری انتقال فرما گئے، تدفین جنت المعلی مکہ مکرمہ کے اس خطہ میں نصیب ہوئی جہاں ہمارے سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مدفون ہیں، زہے نصیب۔ بلند پایہ نعتیہ شاعری میں تو آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ زبان و انشاء کے معاملہ میں بہت سخت گرفت تھی، دینی موضوعات میں بھی خاصی درک تھی مشرباً سلفیت کے قریب تھے۔ ہر چند کہ وہ ایک خاص مسلک سے وابستہ تھے۔ لیکن علم و ادب اور شخصیات و رجال کے معاملہ میں اوروں کے ساتھ بھی بخل سے کام نہ لیتے الحق اور یہاں کی دیگر مطبوعات کے ساتھ بھی ایسا ہی محبت کا معاملہ تھا۔ فاران کے آخری شمارہ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی قومی اسمبلی کی سرگرمیوں کی رپورٹ "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" پر تین صفحوں میں تبصرہ لکھا جو بھرپور خراج تحسین پر مشتمل تھا۔ مرحومین کی یاد میں

آپ کی یادداشتیں تلخ و شیریں کا مجموعہ ہوتیں، میں نے ایک دفعہ کہا کہ اذکروا موتاکم بالخیر کی بناء پر درگذر ہی بہتر ہوتی ہے ۔ مرحوم سے میری ایک ہی دفعہ مولانا تقی عثمانی کی معیت میں ان کے دولت کدہ پر ملاقات ہوئی مسئلہ کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کا چھڑ گیا اور ملاقات کا اختتام تلخی پر ہوا، میں نے کہا آپ شعر و ادب تک محدود رہیں، مجتہد اور مفتی نہ بنیں ۔ مرحوم کی محبت و عنایت آخر تک قائم رہی، بیشک ان کی وفات سے علم و ادب کے میدان میں ایک خلاء واقع ہوئی ہے ۔

اوائل مئی میں ہمارے ایک اور محترم عالم نے ہمیں داغ مفارقت دی مولانا سید امین الحق صاحب خطیب اوقاف شیخوپورہ مرحوم وصال فرما گئے ۔ مرحوم ۱۹۰۴ء میں ہمارے علاقہ کے موضع طورو مردان میں پیدا ہوئے جو ایک زمانہ میں علمی عروج اور رونقوں کی وجہ سے بخارا کہلاتا تھا ۔ ۱۳۴۰ھ میں مرکز علمی دار العلوم دیوبند سے سند فراغت لی ۔ بیعت و ارشاد کا تعلق شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ؒ سے تھا، اور خلافت سے بھی نوازے گئے ۔ اوقاف جیسے ضمیر کش محکمہ کی ملازمت کے باوجود آپ کا ضمیر آزاد رہا اور اپنی قلندرانہ شان قائم رکھی ۔ جو جی میں تھا وہ منہ پر اور کبھی غیر محتاط انداز میں بھی صاف گوئی سے گریز نہیں کیا درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا بھی شغل رہا، حجیت حدیث پر بصائر السنۃ کے نام سے ایک وقیع کتاب لکھی اسی طرح تقلید کی مدافعت عیسائیت کے تعاقب، صحابہ کرامؓ کی تعدیل، زمینداری اور شرعی نظام پر بھی علمی مواد فراہم کیا کئی تصانیف کی شکل میں اپنی نشانیاں چھوڑیں ۔ اب آخر میں امام ابوحنیفہؓ کی مدافعت میں خطیب بغدادیؒ کے اعتراضات کا معقول اور مدلل جواب لکھا، ان کا اصرار تھا کہ یہ الحق میں شائع ہو اور الحق اپنے خاص انداز اور معیار کی بناء پر ایسے اختلافی ادق علمی مباحث سے گریز کرتا رہا فضل الرحمان کے فتنہ تجدد و استشراق کے رد میں الحق میں ان کے وقیع مضامین شائع ہوتے رہے، مرحوم کی جدائی فضلاء دیوبند اور اہل علم کے لئے موجب رنج و غم ہوگی ۔

اسی ماہ ملتان کے مرکزی مدرسہ قاسم العلوم کے مہتمم اور بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بھی وصال ہوگیا ۔ مرحوم نے اپنی طویل زندگی دین کی نشر و اشاعت درس و تدریس میں گذاری مدرسہ قاسم العلوم ان کی تابندہ یادگار رہے گی، آخری عمر میں بوجہ ضعف و نقاہت اہتمام کی ذمہ داری حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ العلماء اسلام کے سپرد فرما دی تھی، مولانا مرحوم کی وفات پر ہمارے محترم قائد جمعیۃ خصوصی تعزیت کے مستحق ہیں حق تعالیٰ مرحوم کے فیض اور برکات کو جاری و ساری رکھے اور

قاسم العلوم اسی طرح قاسمی اور مدنیؒ مسلک کا منادا اور ترجمان بنا رہے۔ آمین۔

---

۲۴ - ۲۵ مئی کی درمیانی شب کے دس بجے دارالعلوم کے ایک دیرینہ مخلص کارکن اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ایک جان نثار خادم اور سفر و حضر کے رفیق مولانا سید قدرت شاہ صاحب اکوڑہ خٹک کا ایک سو برس سے زائد عمر میں وصال ہوگیا، دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور طلباء و متعلقین میں آپ جانے پہچانے ہوں گے، مرحوم دارالعلوم کے سابق مدرس مولانا بشیر علی شاہ صاحب حال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورّہ کے والد محترم تھے، نہ صرف تاسیس دارالعلوم سے لیکر اب تک آپ دارالعلوم کے بے لوث سرگرم کارکنوں میں سے تھے، بلکہ اس سے بہت قبل میرے جدامجد مرحوم کے ساتھ رفاقت کا رشتہ استوار کیا اور آخر تک نبھایا، قومی و ملّی کاموں میں یہ لوگ باہم دست و بازو تھے۔ خاکسار کا فتنہ حد سے بڑھنے لگا تو سب سے پہلے اکوڑہ خٹک میں اسے بھرپور لگام دینے کی کوشش کی گئی۔ یہ سنہ ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ کا واقعہ ہے، اکوڑہ خٹک میں مولانا قدرت شاہ مرحوم کی مسجد سے اس ہنگامہ رستخیز کا آغاز ہوا جس سے خاکساروں کو عبرتناک سبق ملا اور پورے برّصغیر کے پریس میں اس کا چرچا رہا، اس کے بعد مرحوم کو "غازی ملّا" کا خطاب ملا اور عرف عام میں اسی لقب سے یاد کئے جانے لگے، آخر عمر میں مرحوم کو اپنے سعادتمند بیٹے کی بدولت نہ صرف حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، بلکہ دو سال تک مدینہ منوّرہ کے قیام کی دولت سے بھی نوازے گئے، دارالعلوم کی تاسیس اور نشاۃِ اولیٰ میں جس جماعت نے تن من دھن کو قربان کیا مرحوم کا نام بھی اس جماعت میں شامل رہے گا۔ انشاء اللہ ——

حق تعالیٰ جانے والے تمام مرحومین کو درجاتِ قرب سے نوازے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

قائد جمعیۃ العلماء اسلام مولٰنا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ

۳۵ برس قبل

مسلمانوں کی خستہ حالی پر

فریاد

قائد قومی اتحاد و جمعیۃ العلماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ نے آج سے ۳۵ برس قبل ۱۳۶۳ھ میں عالم اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار پر اس منظوم کلام میں اپنے احساسات کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ نادر و نایاب نظم حضرت مفتی صاحب کی سخن دانی اور ذوق شعر و شاعری کا ایک واضح ثبوت ہے۔ اس قیمتی تحفہ کو پہلی بار الحق پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ "س"

حیف دیروز کہ من سوئے گلستاں دیدم — ہمچو شبنم گل و بلبل ہمہ گریاں دیدم

جانب شام و عراق و سوئے ایران دیدم — ہمہ آفاق پر از فتنۂ دوراں دیدم

مصر در بستۂ زنجیر غلامیست ہنوز — شاہ البانیہ را بے سر و ساماں دیدم

نغمہ سنجان خراسان و حجاز و شیراز — ہمہ را از غم صیاد ہراساں دیدم

بنی عباس دریں عہد نہ آلِ سفیان — نہ بہ کاشانۂ آں دولتِ عثماں دیدم

ماہِ انور بہ بخارا شدہ در خاک نہاں — آہ بے رونقیٔ محفلِ ترکاں دیدم

بُرد حبِ وطن احساس بقائے ملت — قوم را بے خبر از نکتۂ قرآں دیدم

سبزہ پامال و خزاں دیدہ شدہ برگ و ثمر — آہ شیرازۂ اسلام پریشاں دیدم

نہ شبِ ماہ نہ گلشن نہ بہارِ لبِ جو — نہ سرِ شاخ گلے مرغ خوش الحاں دیدم

مدتے شد کہ در انبوہِ وطن قافلہ را — مبتلائے المِ شامِ غریباں دیدم

بنگر اے شاہِ امم سوئے لباسِ امت — جامہ ہست نہ دامن نہ گریباں دیدم

آں حریمے کہ دراں در شبِ معراجِ شہا — قد بے سایۂ تو سرو خراماں دیدم

ارضِ پاکش شدہ جولانگہِ بیدادِ یہود — ہمہ آغشتہ بخوں نعشِ مسلماں دیدم

آں زمینے کہ نشانِ کفِ پایت بودہ — بر ہماں خاکِ عرب گنجِ شہیداں دیدم

رام شد حلقۂ گردابِ یمِ نیل و فرات — کشتیٔ دجلہ و بغداد بہ طوفاں دیدم

ہر بلائیکہ شد از گردشِ دوراں پیدا — آہ بربادکن قوم مسلماں دیدم

فتنۂ روس کہ آورد بلائے الحاد — دشمنِ ملت و غارتگرِ ایماں دیدم

بصرہ خالی ز حسنؒ ہست ز نعمانؒ کوفہ — مسجد و خانقہ و مدرسہ ویراں دیدم

بشنو فریاد ز محمودِ دل افگار و حزیں — کہ گرفتار بہ بند غم و حرماں دیدم

علی گڑھ سیمینار
میں
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

قدیم اور جدید دانشوروں کے لئے لمحاتِ فکر

۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء کو اس سیمینار کا اختتامی جلسہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرو وائس چانسلر پروفیسر محمد شفیع صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ (ناظم ندوۃ العلماء) سے اختتامی خطاب کی فرمائش منتظمین جلسہ نے کی، شرکاء جلسہ میں پروفیسر اے۔ ایم خسرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جناب بدرالدین طیّب جی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مسعود حسین خان وائس چانسلر جامعہ ملیہ دہلی اور وہ سب فاضل مقالہ نگار موجود تھے، جنہوں نے چار روزہ سیمینار میں اپنے مقالات پڑھے اور بحث و گفتگو میں حصہ لیا، ان کے علاوہ یونیورسٹی اور شہر کے متعدد صاحب ذوق اصحاب اور خواتین موجود تھیں۔

مہارت اور اختصاص ضروری ہے حضرات! میں آپ کی اس عزت افزائی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اس علمی مجلس کے افتتاح کے موقع پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا، اب اس کے آخری نشست کے اختتام پر بھی مجھے تقریر کا موقع دیا ہے، آغاز و انجام میں خاص مناسبت ہے، میں آپ کے اس اعتماد و اعزاز کے لئے دل سے شکر گذار ہوں، مجھے بڑی مسرت ہے کہ علومِ اسلامیہ اور دینی موضوعات سے کچھ عرصہ سے عصری دانش گاہوں کے فضلاء بھی دلچسپی لینے لگے ہیں، اور یہ سیمینار اس کی دلیل ہے، اب علومِ اسلامیہ کے ایک خادم اور میدانِ تحقیق کے پرانے مسافر کو اقبال کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں — یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

دماغی صلاحیتوں کا خزانہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز نہیں ہے، نہ کبھی مرکوز رہا ہے، اور نہ کبھی مرکوز ہو سکتا ہے، اور ایسا ہونا کچھ اچھا بھی نہیں، اس طبقہ کے لئے خواہ یہ بات کتنی ہی نازش و افتخار کی ہو لیکن انسانیت کے حق میں یہ کوئی بہتر بات نہیں ہے کہ انسانی ذہانتوں کا خزانہ اور محنتوں کا ذخیرہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز ہو کر رہ جائے، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، آپ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں علمائے دین کا کوئی مخصوص موروثی طبقہ نہیں ہے، کلرجی (CLERGY) اور پرلیسٹ ہڈ (PRIST HOOD) کا تخیل مسیحی دنیا میں ملتا ہے، اس کا دنیائے اسلام میں کہیں وجود نہیں، اگر ہمارے بعض اہل قلم مصنفین کی تحریروں میں کچھ ایسی تعبیرات اور الفاظ آتے ہیں تو بے سوچے سمجھے یا مغرب کی تقلید میں مثلاً اس وقت عرب مصنفین کے یہاں "رجال الدین" کا ایک لفظ استعمال ہوتا ہے، جو تقریباً اسی معنی میں ہے۔ جو مسیحی دنیا میں پرسٹ ہڈ (PRIST HOOD) کے لئے استعمال ہوتا تھا، اس لئے محتاط مصنفین نے جو اسلام کی صحیح روح اور صحیح فکر کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں، ان لفظوں سے ہمیشہ احتراز کیا ہے۔ لیکن علوم اسلامیہ کی طرف عصری دانش گاہوں کے فضلاء کی توجہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھی میں یہ اضافہ کروں گا کہ کلرجی (CLERGY) اور پرلیسٹ ہڈ ——— (PRIST HOOD) اسلام میں نہیں ہے، لیکن ایکسپرٹ (EXPERT) اور سپیشلسٹ (SPECILIST) ماہرین فن اور اصحاب اختصاص کا وجود ہمیشہ رہا ہے۔ اور یہ ایک علمی حقیقت ہے، اس لئے کہ علوم اتنے پھیل گئے ہیں، اور ان میں اتنا تنوع اور وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ کہ ایک آدمی کے لئے ہمہ داں ہونا عملاً ناممکن ہے، یورپ میں بھی ترقی اس وقت سے شروع ہوئی جب وہاں تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا گیا، اور علوم کے مختلف شعبے تقسیم ہو گئے۔ اور اسکی کوشش مغربی فضلاء نے چھوڑ دی کہ وہ تمام علوم میں اتھارٹی اور سند کا درجہ حاصل کریں، جہاں تک مجھے علم ہے، یورپ میں اب بھی اس اصول کا احترام مشرق سے زیادہ کیا جاتا ہے، وہاں کسی علم کے فاضل بھی بعض اوقات اس علم کے بعید متعلقات کے متعلق بغیر کسی ------ شرم و ندامت کو محسوس کئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا موضوع نہیں، اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں اس کو اصول کے تحت تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہماری آئندہ دلچسپیاں اور ہماری علمی اور تصنیفی سرگرمیاں کسی خاص موضوع یا فن کے ساتھ مخصوص ہوں گی۔

معیار کیطرف توجہ کی ضرورت ہے

مجھے خوشی اور فخر ہے کہ میں آپ کا ہم سفر ہوں، ہم سفری کے اس حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کے سامنے چند باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں، آپ اس کو کسی تعریض پر محمول نہ فرمائیں، پہلی بات جسے میں محسوس کر رہا ہوں، اور آپ میں سے بہت سے لوگ محسوس کر رہے ہوں گے بہت سے سینئر اسکالرز یہاں موجود ہیں جن کے ۳۰، ۴۰ برس اس صحرانوردی میں گذرے ہوں گے کہ علم و تحقیق کا معیار روز بروز گھٹتا جا رہا ہے۔ مجھے یورپ کے سفروں میں بھی اس کا احساس ہوا اور میں نے بعض فضلاء سے

بھی سنا وہاں بھی اورنٹیل ازم کا جہاں تک تعلق ہے یعنی مشرقی مباحث پر لکھنے کا اس کا معیار فروتر ہوگیا ہے۔ او وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ جتنی محنت اور جیسا عشق اور لگن گذشتہ نسل کے فضلاء میں تھی اس میں کمی ہے۔ اس کے پیچھے بہت سے عوامل اور FACTORS کام کرتے ہیں کچھ سیاسی ہیں کچھ معاشی ہیں۔

استشراق کی ترقی کا راز ہر علم کے پیچھے بعض بہت طاقتور محرکات ہوتے ہیں، ان عوامل و محرکات نے اورنٹیل ازم کو ایک زمانہ میں چوٹی پر پہنچا دیا تھا، فزکس اور ٹکنالوجی یا اکنامکس کے چند دائروں کو چھوڑ کر جہاں تک علمی اور نظری مباحث کا تعلق ہے، اورنٹیل ازم کو جو یورپ میں اعزاز حاصل تھا مستشرقین اور ان کی کتابوں کی جس طرح قدر ہوتی تھی، وہ کم علوم کو حاصل تھی، یہاں تک کہ ادبیات اور لسانیات کے علوم کو بھی شاید وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا، اس کے پیچھے ایک بہت بڑا عامل یا FACTOR کام کر رہا تھا، ہم کو خوشی ہونی چاہیئے کہ اب وہ باقی نہیں رہا، وہ تھا استعمار، مشرق کے سب سے زیادہ سرسبز وشاداب ممالک بدقسمتی یا خوش قسمتی سے مسلمانوں کے زیر اثر تھے، ان پر مغرب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔

استعمار نئی نئی نوآبادیاں (COLONIES) قائم کرنا چاہتا تھا، اس لئے وہاں کے قومی مزاج اور خصوصیات اور ان کی خوبیوں سے زیادہ کمزوریوں سے واقف ہونے کی ضرورت تھی، اس کے لئے مستشرقین ایک ہراول دستہ (POINEER) کا کام کرتے تھے، ان کے پیچھے حکومتوں کی سرپرستی تھی، بڑے بڑے فنڈ اور بڑے بڑے ادارے تھے۔ اور ان کا اکرام بادشاہ اور صدر جمہوریہ کے دربار میں بھی ہوتا تھا، یہ FACTOR عرصہ ہوا کمزور پڑ گیا ہے۔

دوسرا معاشی عامل FACTOR تھا، اس پر بھی کچھ اثر پڑا ہے، معاشی ڈھانچہ میں ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اب وہ انعام ملنا مشکل ہے جو پہلے ملتا تھا۔

علم کا عشق تیسری چیز جو زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ اور اس کو میں اصل سمجھتا ہوں وہ ہے علم کا عشق جو ہماری پہلی نسل میں تھا، ایک لگن اور خود فراموشی کی کیفیت جو اس عہد میں تصنیفی اور تحقیقی کام کرنے والوں پر طاری رہتی تھی۔ یہ بات کسی خاص دانشگاہ یا جامعہ کو سامنے رکھ کر نہیں کہہ رہا ہوں، یہ میرا عام مطالعہ ہے، تقریباً سب جگہ یہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ اور بدقسمتی کی بات ہے کہ علم سے عشق جو ہمارے اسلاف میں پایا جاتا تھا، اسلاف سے مراد مسلمانوں ہی کے اسلاف نہیں بلکہ گذشتہ نسل میں پایا جاتا تھا، وہ اب بہت کم نظر آتا ہے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی کتاب "علمائے سلف" جو انہوں نے اسی علی گڑھ میں لکھی ہے اس کو پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علم کا عشق اس وقت کے مصنفین اور محققین کے دلوں میں کیسا موجزن تھا، اور آج اس میں کس قدر نمایاں انحطاط ہوا ہے۔ یہ انحطاط کیوں ہوا؟ اس کا تعلق سیاسیات

معاشیات، ادبیات اور اخلاقیات سب سے ہے، اس کے پورے اسباب کا تجزیہ کرنا اسوقت نہ ضروری ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے، لیکن اتنی بات آپ تسلیم کریں گے اور ہمارے معزز شرکاء کار اور ہم سفر ضرور اس کو تسلیم کریں گے کہ علم سے عشق، شمع علم پہ پروانگی کی کیفیت، علم وتحقیق کا ایسا جنون کہ کھانے پینے، کپڑے کا ہوش نہ رہے، آج مفقود بلکہ معدوم نظر آتا ہے، علماء سلف کے واقعات کو چھوڑ دیجئے، اسی علی گڑھ میں جو علماء پیدا ہوئے، مولانا لطف اللہ علی گڑھی ان کے اس عشق کو دیکھئے اور اس کو بھی آپ چھوڑ دیجئے، اس وقت کے مغربی مصنفین کے یہاں "لین" (LANE) جس کا عربی لغت انگریزی والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عربی ادب کے ان فضلاء کے لئے بھی قابل استفادہ ہے، جو تفصیلات میں جانا چاہتے ہیں، اور وہ مواد کیا دیکھنا چاہتے ہیں، جو بعض اوقات بہت سے عربی لغتوں میں بھی نہیں ملتا، میں نے سنا ہے کہ قاہرہ میں جب وہ اس لغت کا کچھ حصہ تیار کر رہا تھا. تو مہینوں گذر گئے وہ کہیں نہیں گیا اس کو پتہ نہیں تھا کہ بازار کہاں ہے، بازاروں میں جانے اور اہرام مصر جیسے عجائبات عالم کو دیکھنے کی فرصت نہ تھی، اس کو آپ بد مذاقی یا مردہ دلی پہ محمول کر سکتے ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے، بہت سی لازوال اور لافانی تصانیف کی تاریخ اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے مصنفین پہ خود فراموشی کا عالم طاری تھا، یہ وہ چیز تھی جس نے مغرب ومشرق کے مصنفین کے قلم سے وہ زندہ جاوید تصانیف اور ایسی تحقیقات نکلوائیں (جن سے اختلاف کے باوجود) ان کی علمی قدر وقیمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

ماضی قریب کی علمی شخصیتیں میرا روئے سخن خالص اپنے ان دوستوں سے ہے، جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں، مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مولانا شبلی نے کتب خانہ اسکندریہ پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی، ایک زمانہ تھا، جب ہندوستان میں مشترک دانشگاہوں میں پڑھنے والے مسلمان طلباء کو چڑھانے کیلئے صرف یہ کہنا کافی تھا، اچھا آپ اس نسل اس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے خلیفہ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلوا دیا تھا۔ ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے وہ زمانہ پایا ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ منہ چھپاتے تھے، بلکہ منہ چراتے تھے، اور آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے کہ اس کا کیا جواب دیں، ایک چلی ہوئی کہانی تھی کہ حضرت عمرؓ کو لکھا گیا کہ یہاں ایک کتب خانہ ہے، جو ظہور اسلام سے پہلے کا ہے۔ اور اس میں فلاسفہ کی اور منطقیوں کی کتابیں ہیں تو اس کو آگ لگا دینی چاہئے چنانچہ لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ قرآن کے خلاف ہیں، اور بغیر پڑھے کتب خانے کو آگ لگا دی، یہ ایک کہانی تھی، جس کو ٹائن بی (TOYNBEE) جیسا مورخ تک دہراتا ہے، ٹائن بی (TOYNBEE) نے جب رسم الخط کی تبدیلی اور کمال اتاترک کی اصلاح پر تبصرہ کیا تو اس نے کہا اب کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کی ضرورت نہیں صرف رسم الخط بدل دینا کافی ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس پر قلم اٹھایا، اور اس افسانہ کو آخری طور پر ختم کر دیا، اب کسی پڑھے لکھے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یہ کہے کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کے زمانہ

خلافت میں ان کے حکم سے جلایا گیا، انہوں نے قدیم مؤرخین کی شہادتوں سے ثابت کر دکھایا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے ہی جل چکا تھا، اس کا کہیں وجود ہی باقی نہیں تھا، یا مثلاً انہوں نے جزیہ کے مسئلہ پر قلم اٹھایا تو اس بحث ہی کو ختم کر دیا، یا انہوں نے شعر العجم لکھی تو اہلِ ذوق اور فارسی دانوں سے اپنا لوہا منوا لیا، پروفیسر براؤن (PROF. BROWN) (جن کی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" اپنے موضوع پر GOSPEL کا درجہ رکھتی ہے، اور دنیا کی اکثر یونیورسٹیوں کے کورس میں داخل تھی) نے کہا کہ مجھے اب اردو سیکھنے کی تمنّا پیدا ہوتی ہے تو اس لئے کہ میں براہِ راست شعر العجم کا مطالعہ کر سکوں، یہ سب اس علمی شغف اور علمی استغراق کا نتیجہ تھا، جو ان لوگوں پر طاری تھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ جن کا اصل موضوع قرآن مجید، سیرت نبویؐ اور تاریخِ اسلام تھا، انہوں نے "عمر خیام" پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی داد فضلائے ایران نے بھی دی، اسی طرح ان کی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" محنت و کاوش اور ریسرچ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

میں اس موقع پر "نزہۃ الخواطر" کا بھی ذکر کروں گا، جو میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی تصنیف ہے، اور عربی میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی، اس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار مشاہیر اور اہلِ کمال کے تذکرے ہیں، انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں اس کام کا بیڑا اٹھایا، جب عربی مطابع کا رواج اور اشاعت کی سہولتیں نہیں تھیں، تقریباً ۲۵ سال وہ اس کام میں مشغول رہے، اس وقت یورپ میں بھی یہ کتاب ہندوستانی علماء و فضلاء کے حالات معلوم کرنے کا سب سے بڑا ماخذ ہے، اسی طرح ان کی دوسری کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند"۔ جو ہندوستان میں علوم اسلامیہ اور نصاب درس کی تاریخ اور ہندوستانی علماء کی تصانیف کی مکمل ڈائرکٹری ہے، اس کتاب کو دمشق کی رائل اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا، میں نے وہاں کی علمی مجلسوں میں بڑے بڑے فضلاء کو اس کی تعریف اور مصنف کی محنت کا اعتراف کرتے ہوئے پایا۔

علم محنت بھی ہے اور انعام بھی ایک آدمی اس وقت وہ کام کرتا تھا جو ایک اکیڈمی اس وقت انجام نہیں دیتی، یہ سب ایک آدمی کی محنت کا نمود، ایک آدمی کی محنت کا کرشمہ و ایک آدمی کے علم سے عشق کا نتیجہ ہے، آج اکیڈمیاں، بڑے بڑے ادارے اور شعبے موجود ہیں، لیکن سالہا سال میں وہ کوئی ایسی پیش کش نہیں کر پاتے جس کو دیکھ کر اس علم کے ماہر کہیں کہ ہاں یہ اوریجنل (ORIGINAL) چیز ہے، بعض کتابیں دیکھ کر غالب کا وہ مصرع پڑھنا پڑتا ہے۔ ع

اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

محنت کے معیار کو بڑھانے کی ضرورت ہے، علم محنت بھی ہے، انعام بھی ہے۔ پیاس بھی ہے، پانی بھی، بھوک بھی ہے غذا بھی۔

جب تک اپنے فن سے اتنا تعلق نہ ہو کہ آدمی کو کتاب لکھنے پر اتنی خوشی ہو کہ وہ کہے اب مجھے اس ڈیپارٹمنٹ کا چیئرمین بنایا جائے یا نہ بنایا جائے، میں نے اپنا کام کر دیا، میری محنت وصول ہوگئی۔

آج کے فضلاء اپنی کتاب اور تحقیق کو مکمل نہیں کر چکتے کہ وہ اس کے انعام کے متوقع ہو جاتے ہیں۔ سب کی نگاہیں عہدے اور منصب کی ترقی، شہرت و ناموری اور تنخواہوں کی بیشی پر لگی ہوئی ہیں، اور ان کی ذہانت و توجہ کا بڑا حصہ اسی مقصد پر صرف ہوتا ہے۔ آپ بہت سے ISMS سے واقف ہیں، ایک نئے ISM کا اضافہ کر لیجئے جو ہماری دانش گاہوں اور تعلیمی مرکزوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور وہ ہے: CAREERISM (کیریریزم) یعنی CAREER کو بہتر بنانا اور تقرب اور علم کے ذریعے جاہ طلبی۔

دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو دوسری چیز یہ کہ یہ دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو مثلاً کسی سیمینار کے لئے ہم کسی موضوع کو اپنے اوپر تھوڑی دیر کے لئے طاری کرلیں پھر اس کے بعد جیسے جگالی کی جاتی ہے۔ پڑھ کر ہم اس کو اگل دیں اور نہ ہمیں اس موضوع سے محبت ہو اور نہ وفاداری ہو نہ فکر ہو کہ اس سلسلے میں کیا ہوا، نہ اس میں اضافہ کرنے کا شوق ہو، اس موقع پر اقبالؒ سے مدد لیتا ہوں۔ انہوں نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے کہ

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

علم اور تحقیق بھی ایک ہنر ہے، اور اس ہنر کو زندگی بھر کا ساتھ دینا چاہیئے، اس میں مقصدیت پیدا ہونی چاہیئے وہ مثلِ شرر نہیں کہ بھڑکا اور بجھ گیا۔

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں۔ جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے، آپ بیشک اجتہاد کی ضرورت پر مقالے پڑھیں ہم سب اس کو تسلیم کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس کا دروازہ بند ہو جانے کے اسباب کیا تھے، اور کہاں تک جائز تھے، لیکن میں ایک بات کہوں گا، جہاں تک علومِ اسلامیہ کا تعلق ہے۔ اس کے کچھ سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں، بلکہ ان کا اصل سرچشمہ وہی ہے، اس لئے ہمارا طرزِ عمل ان کے بارے میں وہ نہ ہونا چاہیئے۔ جو ایک غیر مسلم مستشرق (ORIENTALIST) کا ہوتا ہے۔ کہ ہم صرف بحث کریں اور ہمیں نہ اس سے کوئی دلچسپی ہو، نہ اس سے اتفاق ہو، ایک حد تک اتفاق بھی ہونا چاہیئے۔ اور کسی حد تک ہماری عملی زندگی میں اس کی نمود بھی ہونی چاہیئے، میں اپنے بچپن میں ایک حکیمانہ مقولہ سنا کرتا تھا کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ایک من علم ہو تو دس من عقل ہونی چاہیئے۔ ورنہ آدمی اس کا صحیح استعمال نہ کر سکے گا، تو میں یہ ترمیم کروں گا کہ تحقیق کی کسی بڑی سے بڑی مقدار کے ساتھ کسی تناسب سے تقویٰ بھی ہونا چاہیئے، اس لئے

کہ یہ مسئلہ علوم اسلامیہ کا ہے جس کا تعلق ایمانیات سے ہے، اگر ہم اس پر اس طرح عمل جراحی کرتے ہیں، جیسا کسی مردہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، تو یہ مناسب نہیں، تنقید میں کسی قسم کی توہین یا تضحیک کی شان نہیں ہونی چاہیے کہ طنزیات و تضحیک کو خالص علمی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں، آپ کا اپروچ APPROACH خالص علمی SCIENTIFIC خالص اکیڈیمک ACADEMIC ہو۔

جو لوگ علم کی ذمہ داریوں اور تحقیقات و نظریات کی تغیر پذیری سے واقف ہیں، وہ اپنے کسی علمی نظریے یا تحقیق کے پیش کرنے میں جزم و وثوق اور قطعیت کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہیں، وہ اپنے کسی نئے خیال کو اسطرح نہیں پیش کرتے کہ وہ گویا اس موضوع پر حرف آخر اور تمام پچھلی تحقیقات پر خطِ نسخ پھیر دینے والا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے اسوقت کے مطالعہ اور تحقیق نے اس نتیجہ تک پہنچایا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ اس میں تبدیلی کرنی پڑے یا کوئی نئی بات ثابت ہو، یا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بات اس طرح ہو، مجھے بدرالدین طیب جی کا یہ جملہ پسند آیا جو انہوں نے کل ایک نشست کی صدارت کرتے ہوئے ایک مقالہ نگار سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہو، (I am afraid your time is over) وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کو بڑے لطیف انداز سے ادا کیا، ہم اس سے سبق لے سکتے ہیں، قلم پکڑیں تو آپ کو اوّل سے آخر تک علم کا احترام اور اس شخص کا احترام بھی ملحوظ رکھنا چاہیے جس نے اپنا وقت صرف کیا، جس نے اپنی آنکھیں خراب کیں، جس نے اتنا مواد فراہم کیا۔

عربی زبان کی اہمیت عربی زبان کی اہمیت بنیادی چیز ہے، اگر آپ کو علوم اسلامیہ پر کوئی کام کرنا ہے تو یہ بڑے نقص (DISQUALIFICATION) کی بات ہوگی، آپ عربی سے ناآشنا ہوں۔ قرآن، حدیث اور اسلامیات پر لکھنے والے بہت سے مشرقی اور مغربی فضلاء سے عربی نہ جاننے کی وجہ سے نادانستہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے، جو بعض اوقات ان کے پورے علمی کارنامے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

مجھے ایک دوست نے بتایا کہ دہلی میں کوئی سیمینار ہو رہا تھا، اس میں ایک صاحب جنہوں نے انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، تقریر کر رہے تھے، تو مشہور عرب ادیبہ اور مؤرخہ عائشہ بنت الشاطی نے جو اس سیمینار میں شریک تھیں، ان سے عربی میں خطاب کیا تو انہوں نے بے تکلفی سے کہا کہ میں عربی نہیں سمجھتا تو عائشہ نے کہا کہ قرآن مجید کا ترجمہ پھر آپ کیسے کرتے ہیں۔؟ اس کے بعد وطن جاکر انہوں نے مصر کے کثیر الاشاعت اخبار "الاہرام" میں اس پر کئی قسطوں میں مضمون لکھا کہ "میں نے عجائباتِ عالم میں سے ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ ایک فاضل نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور وہ عربی سے ناواقف تھا۔"

آپ حضرات آسانی کے ساتھ اس پر قابو پا سکتے ہیں، اور عربی زبان میں وہ دسترس حاصل کر سکتے ہیں،

جس سے آپ غلطیوں سے بچ سکیں، اس سلسلے میں عربی مدارس آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

انتشار انگیزی سے احتراز کیجئے۔ بعض فضلاء اپنے نظریات و تحقیقات کے اظہار میں بہت عجلت سے کام لیتے ہیں، ان کی اشاعت ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کچھ عرصہ بعد خود ہی ان سے رجوع کر لیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنا اخلاقی فرض انجام دیتے ہیں، لیکن جو لوگ اس عرصہ میں ان نظریات و تحقیقات کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، ان کی ذمہ داری کس پر ہے۔؟ یہ مسئلہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ جب اس کا تعلق ایمانیات اور عقائد سے ہو، اس لئے ہمیں اپنی تحقیقات کی اشاعت و تبلیغ کے بارے میں (خاص طور پر جب ان کا تعلق عقائد اور دینیات سے ہو) عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ ان پہ بار بار غور کرنا چاہیئے۔ ان کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ ماہرین فن کے سامنے پیش کرنا چاہیئے اور ان کی رائے اور مشورہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ پھر اس کے بعد اسکی اشاعت کی اجازت دینی چاہیئے، یہ دور انتشار ہے، اس وقت طبیعتیں انتشار انگیزی کیلئے ہر وقت آمادہ ہیں، انسان ہمیشہ سے سہولت پسند اور حیلہ جو واقع ہوا ہے، جدید تمدن نے، سائنسی ترقی کی رفتار نے اور معیار زندگی کی بلندی نے اس کو زیادہ سہولت پسند اور انتشار پسند بنا دیا ہے، اس لئے ہم ایسی بات کہنے سے احتراز کریں، جس سے لوگوں میں انتشار پیدا ہو۔

۱۹۶۷ء میں جب عربوں کو اسرائیل کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی تو میں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اس میں بہت بڑی ذمہ داری ان تشکیک پسند ادباء اور مصنفین پر ہے۔ جنہوں نے ہماری جدید عرب نسل کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا، تمام قدیم اقدار کو انہوں نے متزلزل کر دیا۔

میں شکرگزار ہوں وائس چانسلر صاحب پرو وائس چانسلر صاحب پروفیسر حقی صاحب اور ان سب حضرات کا جو اس سیمینار سے تعلق رکھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے عزت بخشی اور بڑے اعتماد کا اظہار کیا، میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اس سیمینار میں کہا، مخلصانہ کہا۔

خدا کرے کہ میں بھی اس سے فائدہ اٹھاؤں اور آپ بھی اپنے جوہر اور کمالات میں اضافہ کریں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب
پنجاب یونیورسٹی لاہور

سیاسی
لادینی تعصبات
اور
غلط فہمی
پر
مبنی
خدشات
کا
ازالہ

یہ کراچی ہے! میں ایک بہت بڑے بنک کی عالی شان (بلکہ واقعی سر بفلک) عمارت کے سامنے کھڑا ہوں۔ دو شخص میرے قریب ہی کھڑے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں۔ الف کہتا ہے: کتنی شاندار عمارت ہے دوست۔ ب جواب دیتا ہے: لیکن کب تک؟ یہ سب کچھ تو اب برباد ہوا چاہتا ہے۔

الف: یہ کیسے؟

ب: سنتے ہیں بنک بند کر دئے جائیں گے۔ بیمے ختم ہو جائیں گے۔ اور چیک، ہنڈی وغیرہ معطل ہو جائے گی۔ غرض سب کچھ بند، لوگ مارے مارے پھریں گے۔

الف پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر دونوں آگے چل دیتے ہیں۔ اور میں حیران ہو کر خود سے سوال کرتا ہوں، بنکوں کو یہ الٹی میٹم کس نے دیا ہے؟ اور اگر دیا بھی ہے تو اس کی کچھ وجہ بھی تو بتائی ہو گی۔

پھر معاً مجھے خیال آیا کہ یہ دور سیاسی تعصبات اور نظریاتی کش مکشوں کا ہے۔ یہ ہوائی کسی نے تو اڑائی ہو گی اور اڑانے والا دشمن ہی کیوں ہو، دوست بھی تو ایسی بہت سی مہربانیاں کر گذرتے ہیں۔

شرع کے خلاف افواہیں

در اصل یہ افواہوں کا زمانہ ہے، جھوٹ کے پتنگ خوب اڑتے ہیں۔ اپنے اپنے تعصبات کے تحت جو کچھ کسی کے منہ پر آتا ہے کہہ دیتا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ باغوں میں پھول نہ کھلیں چشموں کے پانی، جوئباروں میں اچھلے گیلے نہ پھریں، کلیاں نہ چٹکیں، دھوپ نہ چمکے، اور چاندنی کوہ و دمن میں نہ بکھرے۔ یہ سب کچھ اگر قانونِ فطرت ہے تو یہ بھی فطرتِ انسانی کی ماہیت میں شامل ہے کہ کچھ رکے اور کچھ پھیلے، کبھی روئے کبھی ہنسے۔ یہی ہوتا رہا اور یہی ہوتا رہے گا۔

جہازِ زندگیٔ آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

مغالطے اور وسوسے بہرحال آج کل پاکستان میں نفاذِ شریعت کے بارے میں بڑے زور و شور سے افواہیں پھیل رہی ہیں، لیکن چونکہ اس کا پیوند سیاسی تعلقات سے ہوگیا ہے اس لئے اس مسئلے کے مشمولات میں غلط مبحث، غرض مندی، بے خبری اور غیر علمی انداز بیان خود بخود در آیا ہے۔ اور بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ صرف سیاسی ہنگامہ آرائی نہیں۔ اس میں بے خبری کا حصہ زیادہ ہے۔ یوں سیاسی صورت حال سے بھی اصل مسئلے کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ سیاسی مہم آزمائیوں میں لوگ فہم حق کی بجائے جدل و مناظرہ کی نفسیاتی کیفیت میں ہوتے ہیں، چنانچہ پہلے تو وہ طوفان جوش میں ہوش کھو کر اصل بات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے [illegible] گر کبھی عقل و ہوش کی سطح پہ آ بھی جائیں تو ہر کوئی اپنی سیاست کے حوالے سے بات کو قبول یا مسترد کر دیتا ہے۔ پھر یہ سمجھانے والے حضرات کے انداز بیان پر بھی موقوف ہے کہ وہ مخاطب کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں اور اس کا طریق پیش قدمی کیا ہے۔؟

مطالبۂ شرع کا ناموزوں پیرایۂ بیان میری ناچیز رائے میں (اور اس کے لئے معذرت خواہ ہوں) آجکل نفاذِ شرع کی بات جن مختلف پیرایوں میں ہو رہی ہے، ان سے کئی مغالطے جنم لے رہے ہیں۔ جو مخالف ہے وہ تو نادان ہے، مگر جو حامی ہے وہ بھی کچھ زیادہ دانا نہیں۔ مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ شریعت نافذ کرو ـــ یا یہ کہ ہم شریعت نافذ کریں گے تو اس سے شعوریات دینی سے بے خبر لوگوں میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم اس سے قبل آج تک گویا غیر مسلموں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے اور ہمارے قبول اسلام کا روزِ اوّل آج ہی شروع ہوا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور شرع اسلامی پہ (کم یا بیش) عمل کبھی منقطع نہیں ہوا۔ شرع پہ عمل پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہو رہا ہے۔ ہم اگر پکے مسلمان نہ ہوتے تو پاکستان کیسے بنتا ـــ۔ البتہ شرع کا ایک حصہ دورِ غلامی میں غیر مسلم حکومتوں کے تحت ساقط رہا جو حکومتی نفاذ کا طلبگار تھا۔ اس پہ ہم قادر نہ تھے۔ مثلاً اسلامی عدالتوں کا قیام، فصل خصومات کا اہتمام اور عقوبات کا نفاذ جو اپنی دینی حکومت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم اب تک کاملاً بے شرع رہے ہیں اور خدانخواستہ ہم آج پہلی مرتبہ شرع میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

شرع کبھی منقطع نہیں ہوئی۔ بلاشبہ ضعف اعتقاد اور عبادات وغیرہ میں کوتاہی انفرادی سطح پر ہوتی رہی ہے۔ اور اب بھی ہو رہی ہے۔ مگر یہ انفرادی سطح کی بات ہے۔ اور نفاذِ شرع کے بعد بھی (انسان کی فطری کمزوریوں اور مزاجوں کے مختلف سانچوں کی وجہ سے) جاری رہے گی، لیکن الحمدللہ ہم سب دیرینہ مسلمان ہیں، نو مسلم نہیں کہ آج ہمیں اسکی ابجد پڑھائی جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ

زندگی کی نئی تشکیل کی یہ مہم اگرچہ مسلمانوں سے متعلق ہے۔ مگر اسکی عملی تشکیل ہمہ گیر علمی استعدادِ عصری رجحانات اور ماحول کے گہرے علم، فطرتِ انسانی اور مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات کے کامل ادراک کے بغیر نہ صرف یہ کہ غیر مفید و بے اثر ہے، بلکہ اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔

یہ مہم کامل دین داری کے ساتھ ساتھ، تمدنی تجربوں اور علومِ جدید و قدیم کے علم کامل کا تقاضا کرتی ہے۔ لہٰذا اسے اناڑیوں کے سپرد کر دینے میں بجز رسوائی کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ یہ کام ہجوم کے کرنے کے نہیں۔ نئی تشکیل ماہرین کا کام ہے اور علم کامل (قدیم و جدید کے ساتھ ساتھ حکمت اور شفقت کی طلبگار ہے۔

نفاذِ شرع کا مطلب کیا؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس نفاذِ شرع کا آجکل چرچا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے اور اسکی حد کیا ہے۔؟

میں اس غلط خیال کو رد کر چکا ہوں کہ خدانخواستہ ہم آج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور پہلے جاہلیّتِ محض یا کفرِ محض میں تھے۔ بحمد اللہ ہم اپنی اپنی حد تک (اور اپنی اپنی کوتاہیوں کے باوجود) صدیوں سے پکّے مسلمان ہیں لیکن اس وقت نفاذِ شریعت کے مطالبے کی اس لئے ضرورت پیش آ رہی ہے کہ:

(الف) دورِ غلامی میں، ہمارے بعض معاشرتی ادارات اور معاملاتی (تجارتی، کاروباری، مالیاتی، اقتصادی اور تعزیراتی) نظامات غیر ملکی حکمرانوں نے ختم کر دیئے تھے یا ان کے متعلق مغا[لطے] پیدا کر دئے گئے۔

(ب) انیسویں صدی عیسوی کے بعد سے سارے عالمِ اسلام خصوصاً برّصغیر پاک و ہند پر سیاسی تسلّط کے ساتھ ساتھ ایک اجنبی بدیشی غیر مسلمانی تہذیب اور اس کے ہم رکاب، نئے اور انوکھے افکار و نظریات اور اسالیبِ حیات کا غلبہ ہوتا چلا گیا ــــــ اس کے ہمراہ نئے غیر ملکی معاشرتی نظامات، تجارتی، اقتصادی اور مالیاتی ادارات (مغربی سرمایہ داری اور لادین مادہ پرستانہ تصوّرِ حیات سے ابھرے اور ہمارے سارے نظامِ زندگی پر اس طرح چھا گئے کہ اب یہ غیر ملکی (بلکہ غیر اسلامی) نظامات ہمیں اپنے ہی نظامات معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارے ادارات و نظامات کے اخلاقی اصولوں اور غایتوں سے بالکل مختلف ہیں۔

(ج) مغرب میں تحقیق و اکتشاف کی وسعت و فروغ سے ایسے ایسے نظریات ظہور میں آ گئے ہیں اور ایسے ایسے تمدّنی تجربے ہوئے ہیں۔ کہ ان میں سے بعض اگر انسانوں کے حق میں بعض اچھے ہیں۔

تو بہت سے بُرے بھی ہیں ، زندگی کسی جدید تنظیم میں ان تجربات و نظریات کو دیکھنا اور سمجھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس وقت سارا عالم ان میں جکڑا ہوا ہے ۔ اور اس لئے بھی لازم ہے کہ ان میں سے بعض ہمارے لئے بے ضرر بلکہ مفید ہیں ۔ لیکن سمجھے بغیر ہم یہ بھی نہ بتا سکیں گے کہ بُرے کون سے ہیں ۔ تسلیم کیا جائے گا کہ دنیا میں کوئی لعنت سیاسی غلامی سے بڑھ کر نہیں کیونکہ غیر ملکی حاکم اپنی اغراض کی خاطر بقول اقبالؒ ؎

بدل دیتے ہیں قوموں کا مزاج

یا بقول اکبر ؎

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں　　　مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اور ہمارے معاملے میں بھی یہی ہوا کہ ہم مغربی نظامات سے (ہر چند کہ ان میں سے اکثر و بیشتر ہمارے اصل اخلاقی مزاج ــــ نیز وسیع تر تمدنی تجربوں کی روشنی میں نامعقول بلکہ غیر اخلاقی ثابت ہو چکے ہیں مگر ہم ان سے اس درجہ مانوس ہو چکے ہیں کہ ان سے جدا ہو جانے کے خوف سے ہم پریشان ہو جاتے ہیں ۔ اور اس سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ جو اسلامی زندگی کے سرے سے مخالف ہیں ، یہی لوگ آج افواہیں اڑا رہے ہیں ۔ لہٰذا اسلامی زندگی کے علمبرداروں کو ہر بات حکمت سے کرنی چاہیئے ۔

مروجہ نظامات کی جرح و تعدیل | میری ذاتی رائے میں نفاذِ شرع کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت رائج شدہ جملہ نظامات و ادارت کی عمارت کو یکسر ڈھا دیا جائے اور کوئی یکسر نئی عمارت سابقہ ملبے پر تعمیر ہو ۔ یہ سراسر بد دیانتی سے پھیلایا ہوا خیال ہے ۔

استفادے کی تحدید لازم | میری سوجھ بوجھ کے مطابق موجودہ زندگی کے اچھے اور بامعنی پہلو اپنی جملہ رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ موجود رہیں گے ۔ صحیح عقیدتوں اور مخلصانہ عبادتوں کے ساتھ (جو اب بھی موجود ہیں ۔) دنیا کے تسلیم شدہ اور رائج نظامات کو جنہیں ہم پہلے بطور نقال ، مقلد یا غلام ، اندھا دھند اور غیر ناقدانہ انداز میں اپنائے ہوئے تھے اب ان کی تنقیدی نظر سے چھان پھٹک کر کے ان میں اپنے اخلاقی و معاشرتی اصول شامل کریں گے ــــ اس سے زندگی پہلے سے زیادہ زیبا و رعنا اور با اصول و پاکیزہ ہو جائے گی ۔ میں یہ بات اقتصادی تجارتی اور کاروباری نظامات کے بارے میں کہہ رہا ہوں ورنہ عقائد ، عبادات ، اخلاقیات اور اصولیات کے معاملے میں ہمیں دینِ خالص پہ سختی کے ساتھ قائم رہنا ہوگا ۔

مغربی تنظیمات سب بری نہیں | غرض یہ کہ مغربی ادارت و نظامات کو یکسر ترک نہیں کیا جائے گا ۔ نئی منصوبہ بندی میں ان کی تکنیکی اور تنظیمی و تعمیری تجربات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا ۔ مگر انسانی صحت معاشرتی انصاف اور خوش حالی کی خاطر مغربی ادارت کے ناپاک حصے کو نکال کر باہر پھینکنا لازم ہوگا ۔ تاکہ معاشرہ بے ڈھنگا پن

اور بے اعتدالی کا شکار نہ ہو جائے ، فرد یا جماعت کا استحصال نہ ہو سکے ، اور حرص اور بے دردی و سنگدلی ختم ہو ، اس کے علاوہ خدا کی دی ہوئی دولت میں ظالمانہ اسراف برائے شہوات ، یہ وہ ناپاک چیزیں ہیں جن سے بچنا ہوگا ۔ اس طرح اخلاقی تجاوزات کو جن سے معاشرہ بالآخر بیمار اور سقیم الحال ہو جاتا ہے ختم کرنا انسانیت کی خدمت ہے ۔

نئے حالات کا جائزہ ضروری ہے ۔ خدا کے فضل سے ہم جس شرع کو مانتے ہیں وہ کبھی اسطرح منقطع نہیں ہوئی کہ گویا آج ہمارے لئے یہ مسئلہ نئے دین کے اجرا یا قبول کا مسئلہ ہو البتہ غلامی و محکومی کی وجہ اسکے معاشرتی اور معاملاتی حصوں میں کچھ خرابیاں باہر کی تہذیبوں کے توسط سے داخل ہو گئی ہیں ۔ بس انہیں کو دور کرنا ہے ۔ اور ان کی جگہ اپنے اخلاقی اصولوں کو موجودہ صورتِ حال کے ڈھانچے میں داخل کر کے نئی تشکیل کرنی ہے ۔

شرع کا مسئلہ اور انتخابی سیاست دراصل شرع کا مسئلہ انتخابی سیاست سے متعلق نہیں اور یہ اس لئے بھی نہیں ہوگا کہ اس سے کون خوش ہوتا ہے اور کون ناخوش ۔ بلکہ شرع کا کامل نفاذ ہمارے ملک کے بنیادی مطالبات میں شامل ہے ، اسی وجہ سے قائدِ اعظمؒ نے بھی فرمایا تھا کہ ہم پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے ہیں ۔ لیکن وہ اگر نہ بھی کہتے تب بھی ہمیں یہ کرنا ہی تھا ۔ کیونکہ یہ خدا کا حکم ہے ۔

مغربی نظامات کے مکروہ پہلو میں نے مغربی نظامات و ادارات کی جہاں تعریف کی ہے وہاں یہ تنبیہ لازمی سمجھتا ہوں کہ سب نہیں تو ان میں سے بعض نظامات انسان کی عمومی فلاح ، شفقت اور درد انسانی عدل و انصاف ، مساوات وغیرہ جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار سے محروم ہیں ـــــ تو کیا ہم انہیں محض اس لئے مانتے جائیں کہ وہ یورپ کے آوردہ ہیں ، انسان کی عمومی بہبود کے نقطۂ نظر سے ان میں چھان پھٹک کیا ضروری نہیں ـ؟

مغرب کے اقتصادی نظامات سب سے پہلے مغرب کے اقتصادی نظامات کو لیجئے ۔ اگر ان کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کا مرکز و محور سرمایہ داری[1] کی وہ گھناؤنی شکل ہے جس کا

---

[1] عوام الناس سرمایہ داری کی اصطلاح سے عموماً ناواقف ہیں ۔ سرمایہ داری عام دولت مندی کو نہیں کہتے ۔ ہر مالدار آدمی سرمایہ دار نہیں ہوتا ۔ سرمایہ داری اس نظامِ زر کا نام ہے جس میں کسی کارخانے یا تجارت میں روپیہ لگانے والا اپنے روپے کا منافع آمدنی بھی وصول کرتا ہے ۔ اور اپنے اصل سرمائے کا سود در سود بھی وصول کرتا ہے ۔ درحقیقت اسے دو مرتبہ اپنی رقم کا نفع وصول کرنے کا حق نہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ کہ آمدنی میں جو حصہ مزدور کا ہے وہ اسے کم ملتا ہے ۔ اس کے مقابلے میں سرمایہ لگانے والے دگنی رقم نفع وصول کرتے کرتے سرمایہ دار بن جاتا ہے جو محنت کو خریدنے کی مکمل قوت رکھتا ہے ۔ اور استحصال پر مکمل طور پر قادر ہو جاتا ہے ۔ عام خوش حالی یا دولت مندی سرمایہ داری میں شامل نہیں ۔ اگرچہ قرآن مجید میں محض دولت مندی میں بھی احتیاط کے آداب بتلائے ہیں اور مختلف وعیدیں بتائی ہیں ۔ سرمایہ داری ۔ دولت مندی سے آگے کی ایک مذموم منزل ہے ۔

علمبردار اس وقت امریکہ ہے ۔ اسی طرح اسکی ضد روسی، اشتراکی نظام بھی صرف ایک ٹوپے کی سرمایہ دارانہ اجارہ داری ہے۔ اس میں فرد سے محنت تو لی جاتی ہے ۔لیکن قومی دولت کی تقسیم (بلند بانگ دعوے کے باوجود) مساوی نہیں ہوتی ۔ اب بنیادی بات یہ ہے کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نقشے کو پاکستانی زندگی سے ہٹا دینا ہوگا۔کیونکہ سرمایہ دارانہ نقشے میں شرافت نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ اسی طرح اشتراکیت سے بھی خود کو بچانا ہوگا۔

سرمایہ داری کی قباحتیں | پاکستان میں گذشتہ چھ سات برس میں سرمایہ داری کے موضوع پر اتنی بحث و گفتگو ہو چکی ہے ۔کہ اب ہمیں اس کے سخت ناپسندیدہ ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہاں قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس ناپسندیدہ نظام کی سب سے بڑی نحوست فضول خرچی اور عیش کوشی ہے ۔ اس نظام کی عمارت سود پر کھڑی ہے ۔ یہ بالکل تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قرآنِ مجید نے تجارت کی ترغیب دی ہے۔ اور سود کی سخت ممانعت کی ہے ۔ ایسا کیوں کیا ہے ۔؟ اس لئے کہ سود سے پوری قوم کی اخلاقی زندگی مجروح ہوتی ہے ۔ اوّل خرابی یہ ہے کہ اس سے قرضِ حسنہ کی بے معاوضہ ہمدردی کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ دوم یہ کہ اس میں روپیہ دینے والے اور روپیہ لینے والے دونوں قسم کے افراد کو نقصان پہنچ سکتا ہے اگر سودی قرض لینے والا، بوجہ نامساعدت حالات اصل بھی ادا نہ کر سکے تو قرضہ دینے والے کا نقصان ہے، اور اگر قرض اور سود در سود کی رقم اتنی بڑھ جائے کہ ناقابلِ برداشت ہو جائے تو جائیداد کی قرقی یا قید لازم ہے ۔ اس ماحول میں انسانی خیر خواہی اور شفقت کہاں باقی رہے گی ۔؟

سود کے مہلک اثرات | اگر سود کسی بنک سے متعلق ہے تو اس میں بڑی قباحت یہ ہے کہ جب بنک لوگوں کی امانتوں سے دوسروں کو قرضہ دینے لگتا ہے ۔ تو یہ خیانت ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ وہ امانتوں کو بنک کی اپنی دولت کے طور پر استعمال کر کے سود در سود کے ذریعے خود تو سرمایہ دار بن جاتا ہے ،لیکن امانت رکھنے والوں کو ان کی رقم کا کم سے کم نفع دیتا ہے ۔ اوّل تو یہ امانت میں خیانت یا بے جا تصرف ہے ۔ دوم بنک منافع کا بڑا حصہ (سود کی رقم کے بڑے حصے سمیت) خود ہڑپ کر جاتا ہے اور امانت رکھنے والے کو نہایت معمولی رقم پر ٹال کر استحصال کا مرتکب ہوتا ہے ۔ جو انسانیت پرور اخلاق کے منافی ہے ۔

نظامِ شرع میں بنک رہیں گے ۔ | عام سود اور بنکاری کے مسئلے پر بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں مزید بحث کی گنجائش نہیں، البتہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ نفاذِ نظامِ شرع میں بنک موجود رہیں گے اور یہ خوف بے بنیاد ہے کہ لوگوں کا روپیہ ضائع ہو جائے گا۔ یا امانتیں رکھنے کی کوئی جگہ نہ

ہو گی ، توقع یہ ہے کہ اگر قوم با اخلاق ہوئی تو بنک پہلے سے زیادہ مفید اور پاکیزہ کام کر سکیں گے ۔ قرضِ حسنہ بنک قائم کئے جا سکتے ہیں لیکن اگر ہم اعلیٰ اخلاق اور خدا ترسی کی اتنی توقع فی الحال نہ بھی کریں تو بھی شراکت برائے تجارت کے ذریعے بنکوں میں روپیہ جمع کرانے والے اپنے حق کے مطابق نفع حاصل کرتے رہیں گے ، مگر یہ سود نہ ہوگا ، خالص منافع ہوگا ۔ البتہ یہ لازم ہے کہ اس قسم کے شراکتی اداروں کے بنیادی اصول اعلیٰ اخلاقیات پر مبنی ہوں ۔ جو انسانی محبت اور شفقت کے سے سے پیدا ہوتی ہے ۔ تاہم اس کی عملی منصوبہ بندی خالص علمی اصولوں پر ہونی چاہیئے ۔ تاکہ دنیا کے نظامِ بنکاری کے اندر اس لئے جرأت مندانہ اخلاقی سلسلۂ شراکت کی جڑیں اچھی طرح جسبت ہو جائیں ۔ اس کے لئے اولوالعزمی اور مقاصدِ عالیہ کی تڑپ چاہیئے ۔ اس کے لئے اقبالؒ کا شاہین ہی جرأت کر سکتا ہے ۔ کرگس یہ کام نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں مردار خوری کی عادت ہو چکی ہے ۔ اور جو مردار خوار بن چکے ہیں وہ اعلیٰ اخلاقی غایات کے مقابلے میں اپنی شکم پروری اور نفس نوازی مقدم سمجھتے ہیں ۔

معاشی کرگس یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مشہور ماہرِ معاشیات ویبلن نے بے نکما اور غیر مصروف طبقہ کہہ کر اپنے ایک معاشی تصوّر کو " غیر مصروف مفت خوروں کا نظریہ " کہا ہے ۔ اس کے یہ فقرے قابلِ غور ہیں ۔ اس نے کہا :

> " ان لوگوں کے ہاں کامیابی کی علامت یہ سمجھی جاتی ہے کہ بے تکلف کھلے ہاتھوں خرچ کیا جائے ۔ یہ خرچ زندگی کی کسی بھی حقیقی ضرورت کو پورا نہیں کرتا ۔ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ رعب داب قائم رہے ۔ مثلاً نہایت اعلیٰ قسم کی پوشاک پہننا جسے پہن کر ہاتھ سے کوئی کام نہ کیا جا سکے ۔ بیویوں کو جواہرات سے مرصّع رکھنا ، نہایت لذیذ کھانے (یا کم از کم پکوانے کیونکہ آہستہ آہستہ خود بے اشتہا ہو جاتے ہیں یا دن رات بیکار مشاغل میں لگے رہنا جنہیں وہ تفریحات کہتے ہیں ، یہی وہ نمایاں ضیاعِ دولت یا نمایاں ضیاعِ صَرف ہے ۔ جس میں وہ لگے رہتے ہیں ۔ "

پاکستان کے دولت مند اس وقت پاکستان میں بھی یہی گروہ ہے جو معاشی تطہیر ، سادہ زندگی ، اور کاروباری پاکیزگی کا مخالف ہے ۔ اور محنت و مشقّت کی بجائے " مفت خوری " کے طریقوں کو جاری رکھنا چاہتا ہے ۔ اور سب سے زیادہ سود کی مخالفت بھی یہی گروہ کر رہا ہے ، یہی گروہ عام لوگوں کو بھڑکاتا ہے کہ اگر سود نہ لوگے تو برباد ہو جاؤ گے ۔ حالانکہ سود کی ممانعت ، دولت کی طہارت ، پاکیزہ کاروبار کے قیام اور ہمدردیِ انسان کی خاطر ہوئی ہے ۔ بعض جاہل مکان کے کرائے کو سود کے برابر کہہ کر لوگوں کے دلوں میں شک ڈالتے ہیں ۔ وہ نہیں جانتے کہ سود نام ہے اس زائد رقم کا جو قرضہ دینے والے اور لینے والے کے

درمیان ایک شرح کے مطابق طے ہو جاتی ہے۔ عام حالات میں یہ ضرورت مند انسان کی مجبوری کا استحصال ہوتا ہے جو بے دردی اور سنگدلی کا مظہر ہے۔ تجارت کے اصول پر بنک میں رقم رکھ کر نفع تو حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن محنت کے بغیر، سود کی شکل میں زائد رقم لینا اصول کے خلاف ہے۔ اس طرح مفت خوری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ مکان کا کرایہ اس لئے سود نہیں کہ مکان کا مالک، کرایہ دار کی سہولت کے لئے ہر سال زائد رقم خرچ کرتا رہتا ہے۔ کرایہ پر دیا ہوا مکان شکست و ریخت، کی زد میں آتا رہتا ہے گویا کچھ عرصے کے بعد مکان کی اصل حالت یا مالیت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس سودی بنک میں رکھی ہوئی رقم جوں کی توں رہتی ہے۔ اور سود کی رقم اس کے علاوہ۔ اس لحاظ سے بنک اور مکان یا کرایہ کو برابر نہیں کہا جا سکتا۔

میں اس وقت اس معاشی مسئلے پر کچھ زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ نہ سود اور ربٰو کی تعریف و تحدید کر سکتا ہوں۔ نہ عالمی تجارت و بنکاری اور اشتراکی طریق فراہمی زر وغیرہ پر کھل کے بات کر سکتا ہوں۔ اگر موقع ملا تو ان موضوعات پر آہستہ آہستہ کچھ نہ کچھ لکھتا رہوں گا۔ لہٰذا اس مسئلے کو چھوڑ کر میں دوسرے نظامات و اسالیب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

مغربی تنظیمات سے استفادہ اب تک میں اس بنیاد پر اظہار خیال کرتا آیا ہوں کہ زندگی کی شرعی تشکیل میں ہم مغربی نظامات و اسالیب کو یکسر مسترد نہیں کر دیں گے بلکہ سب نظامات کا اسلام کے عظیم اخلاقی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ ہم اس عمارت کو مسمار نہیں کریں گے۔ صرف اس کے کمزور حصوں کو اپنی اقدار کے مطابق درست کر دیں گے اور کچھ اضافہ بھی کریں گے۔ کسی اچھی پرانی عمارت کو اپنی ضرورتوں کے مطابق ڈھال لینا کوئی نئی بات نہیں، قطب الدین ایبک نے بھی تو ایک ہندوانہ عمارت کو اپنے انداز میں ڈھال لیا تھا، اور ایا صوفیہ اور مسجد قرطبہ تک میں ہم نے یہی عمل کیا تھا۔ آج اس عمل کو دہرا لینے میں کیا مضائقہ ہے۔؟ ہم تخریب پسند نہیں کہ اچھی اور صحت مند چیزوں کو یونہی برباد کرتے پھریں۔ ہم مغرب کے نظامات اسالیب کے ساتھ ناقدانہ سلوک کریں گے، ہم مغربی زندگی کے خوش نما اسالیب کو بھی لینے سے گریز نہیں کریں گے، ہماری سڑکیں اسطرح کشادہ اور خوبصورت ہوں گی۔ ان کے کنارے پر پہلے سے بھی زیادہ دلکش اور بلند قامت درخت موجود ہوں گے، ہم محنت سے کام کر کے جو روپیہ کمائیں گے اس سے خوش حال مگر باوقار اور بااصول زندگی کا نقشہ جمائیں گے، ہمارے چہروں پر نہ زہد بے مصرف کی خشکی ہو گی اور نہ اشتراکی خشونت ہو گی۔ ہم خدا کی وسیع زمین میں پھیلی ہوئی اور بکھری ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، کیونکہ خداوند کریم نے ان نعمتوں کی خود سفارش فرمائی ہے۔ لیکن ہم زمین پر فساد نہیں پھیلائیں گے۔ نافرمانیاں نہیں کریں گے۔ جبر، تعدی ظلم، استحصال، ناپاک نفس پرستی نہیں کریں گے۔ ہم صداقت، حسن اور خیر کے عاشق ہوں گے۔ لیکن ہم اپنی بنیاد

قدروں کا بڑا خیال رکھیں گے۔

فرحت و راحت کے سلسلے اگرچہ ہم ادب کے چمن پہلے سے بھی زیادہ کھلائیں گے مگر اسے سفلی جذبات کی پرورش کا ذریعہ نہ بننے دیں گے۔ ہم پاکیزہ ادب پیدا کریں گے جو سچے انسانی جذبوں اور شرافتوں سے ابھرتا ہے۔ کیا اس شہر لاہور میں مسجدوں میں مشاعرے نہیں ہوئے ..؟ ہوتے رہے۔ محمد شاہی عہد کا تذکرہ نگار حاکم لاہوری (اپنے تذکرۂ مردم دیدہ میں) غلام علی آزاد (مصنف خزانۂ عامرہ) کے ورود لاہور کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مسجد وزیر خان لاہور کے ایک مشاعرے میں شریک دکھاتا ہے۔ اور وہ شے جسے آجکل فن کہا جاتا ہے۔ اپنی خاص حدود و شرائط کے اندر موجود رہے گی۔ ہمارے تصورِ فن میں خوشخطی، تعمیر، باغ آرائی، طلاکاری آرائشِ کتب اور منبت کاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے مستقبل کے بارے میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو مغربی غلامی کی قیود سے آزاد ہو کر مستقل بنیادوں پر مزید ترقی کرے گا۔ البتہ رقص و سرود کی محفلوں کے انداز[1] ضرور بدل جائیں گے جن میں موسیقی سے زیادہ موسیقی والی مدِ نظر ہوتی ہے۔

نفاذِ شرع میں خواتین کا منصب پھر ایک ڈراؤنا خواب یہ بھی دکھایا جا رہا ہے کہ عورت ذات خارجی زندگی میں کہیں نظر نہ آئے گی۔ مگر ایسا واقعہ تو سخت سے سخت زمانوں میں بھی پیش نہیں آیا۔ دیہات بلکہ قصبات میں محنت سے آباد گھرانوں میں عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ باعفت طریقے سے ہمیشہ شریک کار رہیں اور اب تک ہیں۔ شہروں میں بھی پاکیزہ مشاغل میں مصروف خواتین کے لئے زندگی کی سب راہیں (تعلیم، موزوں ملازمت پاکیزہ تفریحات، سفر، حج، تعلیمی مجاہدات وغیرہ وغیرہ) اس طرح کشادہ ہیں جسطرح مردوں کے لئے ہیں۔ بشرطیکہ ان آزادیوں سے اخلاقی ڈسپلن نہ ٹوٹنے پائے۔ اگر مستقبل میں بندشوں کا کسی کو خوف ہے تو ان معزز حضرات و خواتین کو ہے، جنہیں ویبلن نے "غیر مصروف" اور فارغ گروہ قرار دیا ہے۔ جو مفت ہاتھ آئی ہوئی دولت کو خرچ کرنے کی دُھن میں آرائش و نمائش کی نفسیات کے تحت، اپنا اور قوم کا (بالخصوص شوہروں کا) روپیہ اڑانے کی عادی ہو چکی ہیں —— ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گلشنِ عالم کے یہ پھول کیاریوں کے اندر ہی مرجھا کر ختم ہو جائیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ سیاسی مہم آرائی کی بات جُدا ہے، مگر عورتیں اب بھی بے کار نہیں۔ وہ زندگی کی سب مہمات میں شریک ہیں۔ لیکن اپنے طریق سے کیا گھر کا نظم و نسق اتنا معمولی منصب ہے کہ اسے بیکاری کے مترادف قرار دیا جائے۔ شاید یہ خیال ویبلن کے بقول "غیر مصروف اور فکر فاقہ سے آزاد" افراد کا پھیلایا ہوا ہے۔ یا ان سرمایہ داروں کا جن کے ہاں نوکروں کے غول در غول ہیں اور محترم خواتین کو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یا ان معزز عورتوں کا جنہیں مالی مشکلات نہیں مگر وہ پھر بھی غیروں کی ملازمت کو اپنے بال بچے کی خدمت پر ترجیح دیتی ہیں۔ تو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہماری خواتین جو صدیوں سے گھروں کی منتظم ہیں، کبھی بیکار نہیں ہوئیں اور

[1] رقص و سرود کے انداز ہی نہیں بلکہ اسکی سب شکلیں اسلام میں ممنوع ہیں۔ (سمیع الحق)

قابلِ رشک عائلی خدمات انجام دیتی رہی ہیں اور دے رہی ہیں۔ البتہ معاشرتی نظام اور قومی انفرادیت کے تحفظ کے لئے مرد اور عورت دونوں کو کچھ قربانی کرنی ہی پڑتی ہے اور آئندہ بھی کرنی پڑے گی لہٰذا ہم جس چیز کو قید کہہ رہے ہیں وہ دراصل تحفظات ہیں اور فرد کی سہولت اور نظام کے فائدے کے لئے ہیں۔ پھر انہیں قید کیوں کہا جاتے۔ یہ سب کچھ مردوں کے شرف اور خواتین کے تحفظ اور احترام کی خاطر ہوتا ہے۔ بلاشبہ دورِ انحطاط میں بے ضرورت سخت گیری بھی ہوئی مگر سخت گیری ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جب لوگ قانون کی حدوں کے باغی ہو جاتے ہیں۔

فقہ اسلامی کی ماہیت اب تھوڑی سی بات فقہ اسلامی کی ہو جائے جس کا آجکل موافقانہ ومخالفانہ بہت چرچا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقہ "نفسِ انسانی کے شعور حقوق و واجبات کا نام ہے۔"—— (معرفۃ النفس مالہا وما علیہا۔) اور شرع اس عمل کا نام ہے جو حقوقِ خداوندی و حقوقِ نفس کے سلسلے میں انسان پر واجب ہیں۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھئے کہ شرع ان احکام و ہدایات کا نام ہے جو خدا تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمائیے اور ان پر عمل کا حکم دیا۔ شرع اسلامی اور قانونِ اسلامی میں یہ فرق ہے کہ شرع عام ہے اور قانون خاص۔ شرعی حکم وہ ہے جو براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے اور آنحضرتؐ کے فیصلوں کی روشنی میں ہمیں میسر ہُوا۔

قانون اسلامی اگرچہ شرع سے مستنبط ہونے کی وجہ سے شرع کے اندر شامل ہے۔ مگر اس کے ایک خاص معنی بھی ہیں اور یہ وہ احکام ہیں جو فروعی صورتوں میں مسلم حکومتوں کیطرف سے نافذ ہوتے ہیں۔ لہٰذا شرع اور قانون میں امتیاز کرنا ضروری ہے —— عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ احکام و ہدایات کی اس منضبط شکل کا نام فقہ (شرع) ہے۔ جو دینی اور دنیوی دونوں امور پر محیط ہے۔ اس میں عقائد، عبادات اور معاملات شامل ہیں، اور پھر معاملات میں، عقوبات (سزائیں)، مناکحات (شادی بیاہ کے امور) اور مالیات و معاہدات اور بین الاقوامی مواثیق بھی شامل ہیں۔ بیع وشرا۔ ہبہ، امانت، ضمانت، ہنڈی، شرکت و مصالحت، قبضہ، اتلاف مال، حقوق، فصلِ خصومات بھی فقہ (شرع) میں شامل ہیں۔ شرع اس عمل کا نام ہے جو حقوقِ خداوندی و حقوقِ نفس کے سلسلے میں انسان پر واجب ہیں۔ شرع کے ان موضوعات میں سے ایک بڑا حصہ آج بھی زیرِ عمل ہے، خصوصاً عبادات میں، نیز پرسنل لاء اور سماجی اخلاق اور آداب، پھر ایک حد تک بیع وشرا —— حق شفعہ، شہادت کے اصول، احکامِ وراثت وغیرہ —— ان پر کم و بیش عمل ہو رہا ہے، لہٰذا لوگوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ کہ شرع کوئی نئی اتفاقی یا حادثاتی صورتِ حال نہیں جو آج پہلی مرتبہ نافذ کرائی جارہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لوگ اس سے پہلے ہی مانوس ہیں۔ لہٰذا بات کے انداز کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات یوں ادا ہونی چاہئے کہ ہم شرع کے

پابند ہیں، لیکن بعض فراموش شدہ اجزاء پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ مثلاً

(الف) عقوبات اور فصلِ خصومات اور قواعد تجارت وغیرہ کے اس حصے کو دوبارہ رائج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جن کو دورِ غلامی میں ہم نافذ کرانے کی پوزیشن میں نہ رہے تھے۔ یہ کام اب اسلامی حکومت کرے۔

(ب) ہم اس تصورِ زندگی کو زندہ کریں گے جس میں منفرد قسم کی وہ اخلاقیات ظہور میں آئی جو اسلام کے مدنظر تھا، اس کے تحت اس کا ماحول بھی بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ اخلاقیات ہے جس کا مقصد، پاکیزگی، حسنِ عمل اور جمالِ حیات کو فروغ دینا ہے، اور انسان کو انسان کے معاملے میں شفیق اور خوش اخلاق بنانا، یہ کام اپنے آزاد اداروں (تعلیم اور ذرائع نشر واشاعت) سے لینا ہوگا۔

چونکہ ہم کم وبیش دو صدیوں سے ذہنی غلام ہیں اس لئے اس غلامی سے نکلنے اور نکالنے کے لئے بھی بہت سا وقت درکار ہوگا۔ اس کے لئے ہمیں بڑے تحمل، بردباری، وسعتِ نظر اور کشادگی قلب سے کام لینا چاہیئے اور ان شکوک کو علمی طور سے بھی رفع کرنا چاہیئے جو قدرتی طور سے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے حق میں ہمارے ذہنوں میں گڑے ہوئے ہیں، لیکن اس مہم کو فرض شناس لوگ ہی سر کرسکتے ہیں۔ تعصب، ضد اور سیاسی کشمکش کی اور بات ہے۔ مگر اس بات پر کامل اطمینان کا اظہار کیا جاسکتا ہے کہ اگر شرعی تشکیل حیات میں صحیح عقیدوں اور صحیح اخلاقی قدروں کو استعمال کیا گیا تو ہم موجودہ حالت سے زیادہ خوش حال اور زیادہ اونچے انسان بن سکیں گے۔

اگرچہ اس تنظیم کی کامیابی اس امر پر موقوف ہے کہ اسے چلانے والے اسے چلاتے کسطرح ہیں (سخت گیری ضد اور غیر مشفقانہ انداز میں یا بطریق محبت) تاہم شرع کی ان بنیادی مصلحتوں کو جو ہر حکم یا قاعدے یا ہدایت کے پیچھے موجود ہیں بیک وقت دیکھ لینے اور اپنے اندر جذب کرنے ہی سے، طبیعت میں یقین واطمینان کی وہ کیفیت پیدا ہوسکتی ہے جو آگے چل کر مکمل شرعی زندگی کے ہر عمل کو آسان بنا سکتی ہے۔

دورِ جدید کے مشہور عالم اور فقیہہ المحمصانی کے خلاصۂ مطالب کی رو سے شرع اسلامی مندرجہ ذیل انسانی مصالح اور حکمتوں کو مدنظر رکھتی ہے۔

(الف) مضرت عامہ کا انسداد اور راحتوں میں اضافہ۔

(ب) فلاح عامہ کی توسیع۔

(ج) فرد کے حقوق اور عزتِ نفس کی تکریم۔

(د) خدا کے انعامات سے جائز حدود کے اندر پورا پورا فائدہ اٹھانا مگر حرام اور ناجائز سے بالکل پرہیز، کیونکہ معاشرے اور نفس کی صحت مندی کے لئے یہ احتیاط لازمی ہے۔

(ہ) عدل وانصاف کی روح کو قائم رکھنا۔

(ہ) ظلم و تعدّی اور استحصال کی ہر صورت کی مخالفت۔

(و) تکلیف شرعی بقدر مقدرت انسانی۔

(ح) تدریج سے کام لینا۔

(ط) تعزیر اور دیگر عقوبات میں اصولاً جذبہ شفقت و دردمندی ہی کارفرما ہے نہ کہ انتقام اور غصہ۔

(ی) بڑے نقصان سے بچنے کے لئے خفیف نقصان کو برداشت کرلینا نتائج بد سے بچنے کے لئے، تھوڑی بہت قربانی کو گوارا کرلینا۔

شارع کی حکمت انصاف وعدل عامہ کا سب سے نمایاں اظہار قانون وراثت میں ہوتا ہے جس کی روح سراسر عدل و احسان ہے، مگر عقل و مصلحت کے ذریعے اسے سمجھا جا سکتا ہے۔ (اس کی تفصیل بدران کی کتاب الشرکات والواریث میں دستیاب ہو سکتی ہے۔

شارع شرف کی محافظ قاہرہ یونیورسٹی کے استاد عبدالوہاب الخلاّف نے علم اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ شرع کی قدر وہی جان سکتا ہے جو شرف انسانی اور انسانیت کے مقاصد عالیہ میں گہرا اعتقاد رکھتا ہو۔ جس کے دل میں یہ اعتقاد نہ ہوگا اسے دلائل عقلی سے مرعوب تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے دل میں یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص نفس کی راحتوں (شہوات) میں حیوانوں کی طرح ڈوب چکا ہو اسے شرع کی باتیں پسند نہیں آسکتیں، لہٰذا اس کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

بہرحال علامہ الخلاّف کے نزدیک لوگوں کے مصالح، انکی ضروریات اور انکی حاجات اچھی طرح پوری ہوں اور تحسینیات کے نظام کے ذریعے زندگی پاکیزہ، باثروت اور بامعنی بن جائے، اس میں طہارت بدن ولباس اور آداب شامل ہیں۔

شارع کے بنیادی مصالح امور ضروری کی تشریح کرتے ہوئے پانچ چیزوں کے احترام، تحفظ اور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ۱۔ دین ۲۔ نفس انسانی ۳۔ عقل ۴۔ آبرو ۵۔ مال۔ ان کی بنیادی مصلحت حفظ وجود اور دفع ضرر ہے۔ اور یہ اصول بناتا ہے کہ سہولت اور آسانی ہمیشہ مشقت کے بعد اور اس کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی دی ہوئی رخصتوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ فرائض کی مشقت کے نتیجے میں رخصت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حق اللہ اور حق العباد کے فرق کے ذریعے دنیوی عدالتوں کے اوپر ایک ماورائی عدالت کا تصوّر بھی موجود ہے۔

اطاعت کیلئے آمادگی اب سوال صرف یہ رہ گیا ہے کہ اطاعت شرع کے لئے آمادگی کسطرح پیدا کی جائے۔ اور ہمارے موجودہ مرعوب بلکہ مسخ شدہ اذہان کے پیش نظر اسکی پیش رفت کسطرح ہو۔

یہ سوال طویل جواب کا تقاضا کرتا ہے۔ ــــــ موجودہ مضمون کے نقطۂ نظر سے صرف یہی کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس کے لئے شرطِ اوّل آمادگیٔ قلب ہے۔ آمادگیٔ قلب پیدا کرنے کے لئے تربیت کے علمی اداروں کا قیام ضروری ہے جو محبت اور شفقت کے اصول پہ دماغوں کو قائل اور دلوں کو مسخر کرسکیں۔ پرانے زمانے میں علماء عقائداتی سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے مگر حکما اور صوفیہ تربیت کا دماغی وعقلی اور روحانی وقلبی انتظام کرتے تھے۔ اب بھی یہی ہونا چاہئے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم مغربی نظامات پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ ہم پر کسی اعلان کا کوئی اثر نہیں رہا۔ پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ تو کہتے ہیں، لیکن عملاً ان عقیدوں اور تجربوں سے گریزاں ہیں جو تجربگاہ کے لئے ضروری ہیں۔ اس صورت میں بحث وگفتگو کا کچھ فائدہ نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر کسی کو شہر روما میں جاکر رومنوں کی طرح رہنا ضروری ہے تو یہاں بھی کہ مسلم اکثریت کا ملک ہے۔ نقطۂ نظر کو بدل لینے کی ضرورت واضح ہے،

بہرحال وہ لوگ جو تبدیلیٔ قلب کا حوصلہ رکھتے ہیں یا وہ لوگ جو شرعی زندگی کے معاملے میں پرجوش ہیں انہیں یہ سارے کام تدریج اور شفقت سے کرنے ہوں گے ــــــ تدریج اور شفقت کے دو اصول اس مہم کے لازمی اصول ہیں۔

ضبط وترتیب : شفیق فاروقی

تاریخ :- ۵ر مئی، جمعہ ، بعد ازعصر

اور اکابر کی مجلس میں !

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیّب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی پاکستان آمد اور مختصر قیام کی اطلاع ملک بھر کے ابنائے دارالعلوم دیوبند کے شوقِ ملاقات و زیارت میں اضافہ ملاقات نہ کرسکنے کی افسوس کا موجب بنی ہوگی ۔ آئیے ہم آپ کو ان کی ایک مجلس میں لئے چلتے ہیں اور مجلس بھی حکیم الاسلام مدظلہٗ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی جس میں زیادہ تر مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے تازہ حالات پر گفتگو ہوئی اسے ہم ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے من وعن پیش کرتے ہیں ۔ "ادارہ"

حکیم الاسلام : ویسے تو خوشی کی انتہا ہوگئی مگر تکلیف بھی ہوئی آپکی تکلیف فرمانے سے حضرت کی شفقت اور محبت کی بات ہے ۔ شیخ الحدیث : آپ کی صحت کیسی ہے ۔؟ حکیم الاسلام : ضعف کافی بڑھ گیا ہے ۔ کچھ عمر کا ضعف ہے ، کچھ عوارض بھی بڑھ گئے مگر یہ غنیمت ہے کہ کام ابھی تک رُکا نہیں —— شیخ الحدیث : صاحبزادگان ٹھیک ہیں ساتھ تشریف نہیں لائے ۔ حکیم الاسلام : اسلم کو لانے کا ارادہ تھا ان کے بچے بھی تیار تھے ، مگر اس بار دو چار دن قیام تھا ۔ افریقہ کا سفر بھی درپیش تھا کہ ہمارے مولانا عبید اللہ (جامعہ اشرفیہ) پہنچ گئے ۔ ویزا لائے کہ دس بارہ دن سہی ۔ شیخ الحدیث : یہ حضرت مفتی صاحب ؒ (مفتی محمد حسن ؒ) کی کرامت ہے کہ آپ تشریف لے آئے ہیں —— افریقہ جانے کا ارادہ ہے ۔؟ حکیم الاسلام : وہ بیچ میں پاسپورٹ ویزا وغیرہ کی وجہ سے لٹک گیا ہے ، اب بیچ میں سفر آگیا ہے امریکہ کا جہاں کئی مسلم سوسائیٹوں نے دعوت دی ، اب تو افریقہ جانا سفر امریکہ کے بعد ممکن ہوگا ۔ شیخ الحدیث : امریکہ میں مسلمان تو بہت زیادہ ہیں ۔ حکیم الاسلام : جی ہاں میرے کئی عزیز دو نواسے ان کے بیوی بچے وغیرہ بھی وہاں ہیں ۔ شیخ الحدیث : دارالعلوم (دیوبند) کی حالت تو بہتر ہے ۔؟ حکیم الاسلام : جی ہاں ! الحمدللہ تعمیرات بھی جاری ہیں ۔ شیخ الحدیث : طلبہ کی تعداد تو زیادہ ہے ؟ حکیم الاسلام : جی ہاں ! مگر پاکستانی تو کچھ بھی نہیں نہ اساتذہ میں سے کوئی مولانا عبدالخالق بھی آگئے ، جناب بھی یہیں آگئے ۔ مولانا شمس الدین کشمیری بھی ۔ (غالباً مولانا محمد شریف مدظلہٗ) یہیں رہ گئے ۔ شیخ الحدیث : تعمیر کا سلسلہ بھی جاری ہے ۔؟ حکیم الاسلام : جی ہاں ! تعمیر کا سلسلہ برابر جاری ہے ، ابھی ایک دارالمدرسین بنوایا مگر وہ تنگ

ہوگیا، بہت سے حضرات رہ گئے، کرایہ پر مکانات دستیاب نہیں ہوتے، پھر دوسری جگہ باب الظاہر کے بالکل سامنے مغرب کیطرف زمین خریدی گئی، اس میں دس بارہ مدرسین کیلئے مکان بننے کا اندازہ ہے۔ شیخ الحدیث دارِ خام تو بالکل پختہ ہوگیا ہوگا۔؟ حکیم الاسلام: ابھی تک تو پختہ ہُوا نہیں کچھ مرمت کرائی گئی تھی اس میں بھی رہتے ہیں لوگ۔ شیخ الحدیث: بخاری شریف تو حضرت ہی کے پاس ہے۔؟ حکیم الاسلام: جی ہاں نام پر تو میری ہے، مگر سفر اتنے درپیش ہوجاتے ہیں کہ ایک آدھ باب ہی پڑھا سکا ہوں۔ مولانا رشید احمد خان صاحب جو نائب مہتمم ہیں متقی صالح، ذی استعداد علماء میں سے ہیں، اب ان کے سپرد کردی ہے۔ نام تو صدر مدرس کا مولانا فخر الحسن کا ہے مگر وہ اتنے ضعیف ہوچکے ہیں کہ چلنا پھرنا بھی دشوار ہے۔ شیخ الحدیث: اور مولانا معراج الحق صاحب؟ حکیم الاسلام: جی ہاں وہ پڑھا رہے ہیں۔ مگر عوارض بڑھ گئے۔ وہ بھی کمزور ہیں۔ شیخ الحدیث: قسمت کی بات تھی کہ پاکستان بننے کی وجہ سے ہم آپ کے قدموں سے دور ہوگئے۔۔

خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اتنی دوری آجائے گی۔ حکیم الاسلام: جی ہاں۔ شیخ الحدیث: مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے ایک دن میں نے پوچھا کہ تقسیم ہو بھی جائے تو کیا ہوگا، فرمایا تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا کہ ایسا ہوگا جیسے ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں آیا جایا کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ پھر ایک دوسرے کے دیکھنے کے لئے ترسیں گے۔ حکیم الاسلام: جی ہاں ایسا ہی ہُوا یعنی اب واقعی لندن، امریکہ جانا آسان ہے مگر لاہور آنا مشکل ہے، اس کے باوجود آجا بھی رہے ہیں لوگ۔ شیخ الحدیث: اب تو کچھ امید افزا تعلقات پیدا ہو رہے ہیں۔ حکیم الاسلام: جی ہاں خدا کرے کہ مسالمت کی صورت ہوجائے۔ شیخ الحدیث: اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت عطا فرمائے تاکہ فیض جاری رہے، مجھے کئی امراض لاحق ہیں، بینائی کام نہیں دے رہی ایک آنکھ کا اپریشن ناکام رہا اتنا ہے کہ راستہ کچھ نظر آجاتے مگر یہ صدمہ ہے کہ درس کا سلسلہ منقطع ہُوا۔ حکیم الاسلام: اوہو، اللہ رحم کرے۔ یہ تو واقعی صدمہ ہے کہ درس منقطع ہُوا۔ مگر بہر حال آپ کا تو وجود بھی غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فیض اور برکت جاری رکھے۔ شیخ الحدیث: یہ سب اللہ کا احسان ہے اور آپ حضرات کی دعائیں ہیں، ورنہ۔۔۔۔

حکیم الاسلام: ہم تو دعائیں برابر کرتے ہیں۔ اور تو کسی کام کے ہیں نہیں۔ حضرت مجھ پر تو بہت بوجھ پڑا آپ کی تشریف آوری سے خوشی بھی بہت ہوئی، مگر اتنی تکلیف فرمائی۔ میرے لئے تو سعادت ہے مگر۔۔۔۔۔

شیخ الحدیث: ہمارا فریضہ ہے کہ آپ کا شرف نیاز حاصل کریں۔ بزرگوں میں آپ کو اللہ نے ہر حیثیت سے بزرگی عطا فرمائی ہے، ظاہری معنوی بزرگی، وجاہت اساتذہ کی دعائیں شفقتیں۔ حکیم الاسلام: اب وہاں ویزا ایک یا زیادہ سے زیادہ دو جگہ کا دیتے ہیں۔ یہاں آتے اور کوئی بنائے تو الگ بات ہے۔ (اشارہ تھا اکوڑہ خٹک نہ جاسکنے کا، جبکہ عموماً تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔) حکیم الاسلام: اب کون پڑھا رہے ہیں! آپ کی جگہ؟

شیخ الحدیث : فضلاء دیوبند اور سہارنپور کے معمر قابل اساتذہ ہیں اور نوجوان فضلاء بھی ہیں۔ حکیم الاسلام : الحمد للہ کہ کام تو برابر جاری ہے۔ شیخ الحدیث : حضرت دار العلوم کی مالی حالت کیسی ہے ۔ ؟ حکیم الاسلام : الحمد للہ بہتر ہے مصارف بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس سال کوئی ۲۶ لاکھ کا خرچ ہے، کبھی لوگ پوچھتے ہیں کہ خزانے میں کیا ہوگا۔ کہا دو تین لاکھ تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خرچ پھر کیسے چلے گا ؟ میں نے کہا کہ ہم یہ بتا نہیں سکتے کہ کیسے چلے گا۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ضرور چلے گا۔ کہا یہ کیا ؟ اصول تو کوئی ایسا ہے نہیں ۔ میں نے کہا اصول سے بالاتر ہے یہ معاملہ یہ محض فضل خداوندی ہے ۔ شیخ الحدیث : حضرت نے ہی ایک دفعہ فرمایا کہ لوگ بجٹ کو آمدنی کے تابع بناتے ہیں مگر ہم ضرورت کو دیکھ کر نہ کہ آمدنی کو بس پھر خدا مدد کر ہی دیتا ہے ۔ حکیم الاسلام : میرے والد ماجد کا زمانہ تھا اہتمام کا تو اس دوران حضرت شیخ الہندؒ نے خواب میں حضرت نانوتویؒ کو دیکھا اور یہ فرمایا کہ احمد سے کہہ دینا کہ وہ ہمارے زمانے کی بات تو نہیں آسکتی اب ، لیکن پیسے میں کمی نہیں کوئی فکر نہ کرے ۔ یہ خواب جب حضرت شیخ الہندؒ نے میرے والد ماجد کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ پھر لائیے پیسے ۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا یہ تو ان سے مانگیے جنہوں نے وعدہ کیا ہے ، میں تو واسطہ ہوں ۔ بس یہ ان بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ورنہ ایسے حالات میں اتنے بڑے مصارف کا پورا ہو جانا سوائے کرامت کے اور کیا کہا جائے ۔

شیخ الحدیث : غلے کا بندوبست ہو جاتا ہے ؟ حکیم الاسلام : پہلے تو پنجاب تھا اور یہاں سے ہمیں کم قیمت پر مل جاتا تھا۔ کچھ ویسے مدد کرتے تھے ، یہ راستہ بند ہو گیا ، تو یوپی کے حضرات میرٹھ ، مظفرنگر نے غلہ کی ذمہ داری لی اور بلا قیمت دینے کا وعدہ کیا صرف لدان ہمارے ذمہ ڈالا ، تو اب وہ اس سے بھی کم میں پورا ہو جاتا ہے ۔ سفراء بھی سفر کرتے ہیں مگر ان کے ذریعہ سے آمدنی دو تین لاکھ ہو بھی جائے تو ۲۶ لاکھ کو پورا کرنا محض فضل خداوندی ہے ۔ شیخ الحدیث : طلبہ کی تعداد بھی تو اب زیادہ ہو گی ۔ (حضرت حکیم الاسلام فضلاء دار العلوم کے بارہ میں سمجھے تو فرمایا) حکیم الاسلام : دستار ملنے والے جن کی وجہ سے یہ صد سالہ جلسہ ہو رہا ہے کی تعداد گیارہ ہزار بنتی ہے ۔ مگر اندازہ ہے کہ پانچ چھ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکیں گے ۔ بہت سے جو گذر گئے بہت سوں کے پتے ابھی صحیح بھی نہیں ہوتے جن لوگوں کے صحیح پتے درج ہو سکے ہیں وہ تقریباً ۶ ہزار کے قریب ہیں اور مختلف ملکوں میں ہندوستان میں انڈونیشیا میں ملائشیا میں ، برما افریقہ سب جگہوں میں پھیلے ہوتے ہیں ۔ ادھر پاکستان میں تو ہزاروں کی تعداد ہے بحمد اللہ ۔ شیخ الحدیث : ان سب کے لئے وہاں جلسہ گاہ قیام وغیرہ کا بندوبست جلسہ کے موقعہ پر ہو سکے گا ۔ ؟ حکیم الاسلام : ایک تو مدعو ہوں گے جن کا دار العلوم ذمہ دار ہو گا ۔ جن کی تعداد آٹھ دس ہزار رکھی گئی ہے ۔ جس میں فضلاء بھی ہوں گے اور مہمان بھی اور ایک ہو گا اعلان عام پر آمد ان کیلئے اتنا انتظام تو ضرور کر لیا جائے گا کہ وہ رات گذر بسر کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایک پورا

شہر بسانا ہوگا خیموں کا۔ ویسے ہوٹل وغیرہ بھی کھڑے جائیں گے۔ شیخ الحدیث : باب الظاہر کیطرف ارادہ ہے۔؟ حکیم الاسلام : دارالعلوم میں یا اس کے قرب وجوار میں تو اتنی زمین نہیں لوگوں کا اندازہ ۸۰، ۹۰ ہزار کا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کوئی قید آمد پر تو لگائی نہیں جاسکتی۔ تو اندازہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں آمد ہو، ہر صوبے میں انتظار ہے۔ اور ایک ایک آدمی نے ۳۰/۴۰ اوروں کو بھی تیار کر رکھا ہے، تو اتنی جگہ تو ہے نہیں کھلا ہوا میدان چاہیئے۔ تو وہاں کے ہندوؤں نے کہا کہ دیوی کنڈ کے متصل جو میدان ہے وہ بہت مسطح اور بہت دور تک ہے کہا کہ اس میں آپ جلسہ کریں بلکہ یہاں تک، کہا کہ ہم سب کے مکانات موجود ہیں آپ اس میں مہمانوں کو ٹھہرائیں میرے خیال میں مدعوین کو دارالعلوم کے احاطہ میں ٹھہرانے کی سعی ہوگی۔ پنڈال وغیرہ بھی ہوگا جو چھوٹا موٹا تو ہوگا نہیں۔ مولانا سمیع الحق : حضرت سب سے مشکل مسئلہ پاکستان والوں کا ہے۔ ہزاروں لوگ مشتاق ہیں اس کیلئے بڑی سطح پر بات ہونی چاہیئے۔ کہ ویزا وغیرہ بروقت بنایا جاسکے واضح صورت حال سامنے نہیں آرہی، لوگ دریافت کرتے رہتے ہیں۔ حکیم الاسلام : پہلے تو اس سال نومبر کا مہینہ طے تھا مگر اسی مہینہ میں ہوگا حج، تو مکہ مکرمہ سے خطوط آئے کہ اس زمانہ میں یہاں سے کوئی نہیں جاسکے گا۔ اور حجاج بھی نہیں آسکیں گے۔ اور ہزاروں آدمی محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے اب مارچ ۱۹۷۹ء کا مہینہ رکھا ہے۔ دسمبر میں سردی شدید ہوتی ہے۔ مارچ میں موسم بھی معتدل ہوجاتا ہے۔ یہی خیال ہے کہ یہاں ایک کمیٹی بھی بنائی گئی ہے۔ کہ پاسپورٹوں کا بندوبست اوپر کی سطح پر مل ملا کر کریں مگر بظاہر اتنے ہزاروں افراد کے پاسپورٹ اور ویزے کا مسئلہ ہے۔ سو دو سو کو تو عرسوں وغیرہ میں دیدیتے ہیں، مگر دس بارہ ہزار آدمیوں کے پاسپورٹ اور ویزے کا مسئلہ مشکل لگ رہا ہے۔ مولانا سمیع الحق : اگر بروقت اقدامات نہ ہوتے تو یہاں کے لوگ محروم رہ جائیں گے آدھا دیوبند تو ادھر ہے ایک خیال تو یہ ہے کہ ایک جشن صد سالہ یہاں پاکستان میں منایا جاتے۔ حکیم الاسلام : جی ہاں یہی خیال کچھ اوروں نے بھی ظاہر کیا ہے۔ کہ تین جلسے ہوں ایک یہاں اور یہاں کے لوگ اس کی ذمہ داری لیں ایک بنگلہ دیش اور ایک ہندوستان کے لئے، دارالعلوم میں۔ مولانا سمیع الحق : لیکن حضرت لوگ تو دارالعلوم جاکر وہاں کی برکات، اور وہاں کے در و دیوار کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ حکیم الاسلام : جی اصل تو یہی ہے کہ وہاں کی برکات، اور روحانیات حاصل ہوسکیں۔ مولانا سمیع الحق : حضرت، ایکی علمی اور تصنیفی کاموں میں اور ویسے بھی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی ایک جامع اور مکمل فہرست نہ ہونے سے مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں، ایسی فہرست جس میں تمام فضلاء کے نام اور پتے ہوں۔ حکیم الاسلام : یہ تو کرلیں گے۔ وہاں تو یہی کیا ہے۔ کہ جن کے پتے معلوم ہوتے ان کے پاس فارم بھیج دیئے کہ کس زمانہ میں اور کیا خدمات انجام دیں۔ تصانیف حدیث میں تفسیر میں جن کی آئیں وہ تصانیف بھی لاکھوں تک پہنچتی ہیں

از جناب ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، پروفیسر اسلامیات
پشاور یونیورسٹی

پشتو میں سیرت کی کتابیں

اس موضوع پر مضمون نگار کے سلسلہ وار مضامین کا ایک حصّہ

دیوان حافظ زیر نظر کتاب حافظ الپوری (ضلع سوات) کی تصنیف ہے۔ یہ منظور عام برقی پریس پشاور سے ۱۹۴۷ء میں تیسری بار شائع ہوئی ہے۔ کتاب ۲۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب پر تبصرہ کرنے سے پہلے حافظ اور دیوان حافظ کے بارے میں چند سطور سپرد قلم کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔

حافظ صاحب کا اصلی نام معظم خاں تھا۔ آپ موضع الپوری علاقہ غوربند کوہستان، سوات کے رہنے والے تھے۔ آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش اور وفات معلوم نہ ہوسکیں۔

حافظ الپوری پشتو شعر میں حافظ شیرازی سے کسی حالت میں کم نہیں ہے۔ میرے خیال میں پشتو شاعری میں علی خان کے بعد آپ کے پائے کا آدمی ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ آپ کا ہر شعر آپ کے تبحر علمی کی ایک واضح علامت ہے۔ مثال کے طور پر:

اگر ایک طرف حافظ شیرازی ؎

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا

"کہ عشق آسان نمود اول وے افتاد مشکلہا"، کہتے ہیں تو دوسری طرف حافظ الپوری ؎

ایہا الغافل از درد عشق بے خبری

نہ لرے خیال د محبوب در ہولئے بیم وزری

کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ اگر ایک طرف حافظ شیرازی "بخال ہندوش" سمرقند و بخارا کو قربان کرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف حافظ الپوری "مژگان یار" کو شمشیر فارس تصور کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

دیوان حافظ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے جن میں پند و نصیحت، قصص الانبیاء، سلوک و طریقت، ذکر عالم علوی و سفلی، ذکر بزرگان دین اور صوفیائے کرام وغیرہ موضوعات بڑے اہم ہیں۔ پند و نصیحت کے موضوع پر آپ کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

دَ دنیا پہ چار وچشت ئے مستعجلہ

سست دَ دین پہ کار کښی دے شوے غافلہ

ترجمہ " دنیاوی معاملات میں اے انسان! آپ بڑے چُست و چالاک ہیں۔ اے غافل! دین کے معاملہ میں آپ سُست کیوں پڑ گئے "

پہ خولہ وائے ما قرآن دے قبول کڑے

لہ حکمو نوئے کجروے ناقابلہ!

" آپ منہ سے تو کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو قبول کیا ہے لیکن اے نااہل! آپ اس کے احکام سے روگردانی کرتے ہیں "

نہ دبر بالا مقام آزاد مارغہ ئے![1]

چہ دانے نہ شوے راکوز پہ دام کښی نسنبلہ

" آپ مقام بالا کے آزاد شاہین ہیں۔ لیکن جب نفسانی خواہشات سے زیر ہو کر مقام سفلی میں آگئے تو اپنا مقام کھو بیٹھے۔

دیوان حافظ میں سیرت نبوی کے بعض موضوعات بڑے دل کش انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ ظہور قدسی کے بارے میں حافظ الپوری لکھتے ہیں : ؎

الف اول دَ کائنا تو ! نور د پاک نبی نیک ذات دُو

خوش سیرتہ نیک صفات دُو سرتا پا بہ برکات دُو

پیدائش نر مخلوقات دو

لکہ نمر وځلیدو

پہلے شعر میں حدیث " اول ما خلق اللہ نوری "، کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ساری کائنات کی تخلیق سے پہلے آپؐ کی ذاتِ بابرکات وجود میں لائی گئی۔ آپؐ خوش سیرت اور نیک صفات تھے۔ اور آپؐ سرتاپا پُر از برکات تھے۔ آپ ساری مخلوق سے پہلے پیدا ہوئے تھے اور سورج کی طرح چمک اُٹھے۔ الف سے لے کر ی تک یعنی دس صفحات میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجموعی سیرت یعنی شمائل

---

[1] حافظ الپوری کے اس شعر کا مفہوم علامہ اقبال کے اس شعر میں پایا جاتا ہے ؎

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر! تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

بڑے عمدہ اور دلکش طریقے سے پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے غزوات کا مختصر تذکرہ ہے اس سلسلہ میں چند اشعار معہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

ہزیمت اصحاب فیل شو   مسلط پہ ابابیل شو
مغتورن لا پہ پښیما نہ   پہ دیدارم مشرف کړه

"اصحاب فیل کو شکست کا سامنا کرنا پڑا جب ان پہ ابابیل کو مسلط کر دیا گیا۔ ابرہہ کی ساری فوج رسوا ہو کر پشیمانی کی حالت میں واپس چلی گئی۔ اے سرور کائنات! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔

چہ دَ بدر جنګ بنیاد شو!   پہ غازیانو سخت جهاد شو
جند نازل شہ لہ آسمانہ   پہ دیدارم مشرف کړه

"جب بدر کی جنگ وقوع پذیر ہو گئی اور غازیوں کے لیے جہاد سخت پڑ گیا تو آسمان سے خدا تعالے کی مدد فرشتوں کی شکل میں نازل ہو گئی۔ اے سرور کائنات مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما"

پہ حنین چہ غازیان ډیر ډو   دوئ پہ خپل کثرت دلیر ډو
پہ هیبت شو ناګها نہ   پہ دیدارم مشرف کړه

"جنگ حنین میں مسلمان تعداد میں زیادہ تھے اور انہوں نے خدا کی مدد پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنی کثرت تعداد پہ بھروسہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنوں نے ان پر غلبہ حاصل کیا اور وہ ہیبت زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ اے سرور کائنات! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما"

اسیروں، فقیروں اور یتیموں کے ساتھ آپؐ کے سلوک کے بارے میں حافظ الپوری لکھتے ہیں:۔

شفقت دے پہ فقیرو ه   ترحم دے پہ اسیرو ه
د رحمت شفقت کانہ   پہ دیدارم مشرف کړه

"آپؐ فقیر پر شفقت فرمایا کرتے تھے اور اسیروں پر رحم کیا کرتے تھے۔ آپ رحمت اور شفقت کے کان ہیں۔ اسے سرور کائنات! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما"

کہ ګدا ډه کہ امیرو ه   کہ توانګر و ه کہ فقیرو ه
ستا لہ لطفہ ډه شادمانہ   پہ دیدارم مشرف کړه

"خواہ گدا تھا یا امیر، مالدار تھا یا فقیر، آپ کی نظر کرم سے ہر ایک خوش تھا۔ اے سرور کائنات! مجھے اپنے دیدار کے شرف سے مشرف فرما"

سے کہ ذوالاب وُہ کہ یتیم وُہ — کہ غلام وُہ کہ نطیم وُہ

رحم ستا پرے فروانه — په دیدارم مشرف کړه

"خواہ کسی کا باپ زندہ تھا یا مرا ہُوا ۔ خواہ کوئی بالغ تھا یا نابالغ تھا ۔ یہ سب آپ کے رحم فراوان سے حظ وافر پایا کرتے تھے ۔ مجھے اپنے دیدار کے شرف سے مشرف فرما "۔

مندرجہ بالا اشعار سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حافظ الپوری سیرت نبوی پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے ۔ مزید براین کتاب میں مذکورہ واقعات کی تفصیل ذیلی نوٹس کی شکل میں بڑی مستند تاریخی کتابوں کی روشنی میں دی گئی ہے جو کتاب کی افادیت میں قابلِ قدر اضافے کا سبب بنی ہے ۔

د بنسکلی رسول صلے اللہ علیہ وسلم معجزات او د هغه د خادمانو د ښتینې حالات

زیرِ نظر کتاب کے مؤلف مولانا محمد امین گل صاحب ہیں ۔ یہ منظور عام پریس پشاور سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی ہے ۔ کتاب ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔

کتاب " لامیۃ المعجزات " اور اس کی اردو شرح " البینات " کی شرح ہے " لامیۃ المعجزات " جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب ہے ۔ جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سو معجزات قصیدے کی شکل میں بیان کئے گئے ہیں اور " البینات " شیخ الادب جناب مولانا محمد اعزاز علی صاحب دیوبندی نے لکھی ہے ۔

زیرِ نظر کتاب میں صرف ۵۸ معجزات کا ذکر ہے ۔ ابتدائی ۴۲ معجزات کو چھوڑ دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب کو دوسری جلد شمار کیا ہے ۔ پہلی جلد مشمولہ بہ ۴۲ معجزات ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئی ہے ۔

کتاب میں ہر ایک معجزے کی تفصیل اور ترتیب یوں ہے :

پہلے لامیۃ المعجزات کے عربی اشعار دیئے گئے ہیں ۔ ان کے نیچے ان اشعار کا ترجمہ پشتو اشعار میں دیا گیا ہے ۔ اس کے بعد مولانا اعزاز علیؒ کی ادبی ، لغوی اور نحوی تحقیق کو اس کے اپنے الفاظ میں دیا گیا ہے ۔ اور بقول مؤلف یہ صرف اہلِ علم حضرات کی دلچسپی کے لیے ہے ۔ اس کے بعد عربی متن کا جو ترجمہ مولانا اعزاز علیؒ نے اردو میں کیا ہے مؤلف نے اس کو پشتو میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس کے بعد حرف " ح " کے بعد مولانا اعزاز علیؒ نے اس حدیث کا پورا ترجمہ لکھا ہے جس سے کہ واقعہ منظوم شکل میں لیا گیا ہے ۔ مؤلف نے مولانا اعزاز علی کے اردو میں ترجمے کو پشتو میں ترجمہ کیا ہے ۔

اس کے بعد مؤلف نے "اضافہ" کی شکل میں لامیۃ المعجزات اور البینات کے تمام اہم اور ضروری نکتے بیان کئے ہیں۔

کتاب میں اشعار کے دائیں اور بائیں صرف ہندسے نظر آتے ہیں۔ دائیں طرف والا ہندسہ معجزات کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے اور بائیں طرف والا ہندسہ اشعار کی تعداد کو۔ نمونے کے طور پر چند اشعار بمعہ تفصیلات بالا قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۴۵/ اربدٌ اوصی بقتل عامرٌ غلیۃ اِذ باکلام یشتغل /۱۴۵

پشتو ترجمہ: عامر او ربد تہ اشارت کمرو دا حضرت قتل کلہ شروع بن مختار چہ کمری گفتار اشری

فحمی اللہ وحیل عامرٌ فضل مسعی و بلٹ النذل الفیل /۱۴۶

پشتو ترجمہ: وساتہ رب بنکلے رسول پہ کبن حائل شو عامر

لالشر شہ برباد شہ دا دبد ھمہ کوشش کافری

"عامر درمیان میں حائل ہوا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے بچایا اور بد کافر کی کوشش ناکام ہوگئی۔"

ہ و دعا اللہ لیکفی شرہ مات بالطاعون عامر ن العتل /۱۴۷

پشتو ترجمہ: وئے کمرہ دعا چہ یا اللہ تہ دم ساتے ذدہ نہ

نوشہ عامر متکبر مہ مپہ طاعون کافری

"آپؐ نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے اس کی شر سے بچا۔ پس عامر متکبر طاعون کی بیماری سے ہلاک ہوا۔"

سہ ثم صعق قد اباد اربدًا امّلا خطباً جسیمًا لم ینل

پشتو ترجمہ: کمرہ ذوالجلال اربد ہلاک پہ آسمانی صاعقہ

داغلی دواڑہ وُو سرور تہ پہ بدخیال ضرری

"اللہ تعالےٰ نے اربد کو ایک سخت آسمانی صوت سے ہلاک کر دیا۔ اس لیے کہ دونوں نبی کریمؐ کے پاس خیال بد لے کر آئے تھے۔"

مندرجہ بالا اشعار کی لغوی اور نحوی تحقیق میں مولانا اعزاز علی صاحب یوں فرماتے ہیں:۔

اربد۔ اسم رجل :: منصوب علی انہ، مفعول فعل بعدہ۔ وصرفہ للضرورۃ والتقدیر اوصی عامر بد القتلہ صلے اللہ علیہ وسلم غیلۃ وعامر ایضاً ، اسم رجل ::

اس کے بعد عربی اشعار کا جو ترجمہ مولانا اعزاز علیؒ نے اردو میں کیا ہے ۔ مؤلف نے اس کا ترجمہ پشتو میں کیا ہے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے :۔

"عامر نامی آدمی نے اربد نامی شخص کو کہا کہ جس وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ باتوں میں لگ جائے ۔ تو اس کو اچانک قتل کرو ۔ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو اس چال سے بچایا ۔ جس وقت اربد نے پیارے رسول کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو عامر اپنے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل نظر آیا ۔ اس طرح اس کافر کی کوشش ناکام ہو گئی اور پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا ! مجھے عامر کے شر سے بچا ۔ چنانچہ اس دعا کا اثر تھا کہ عامر ابھی اپنے گھر نہیں پہنچا تھا کہ طاعون کی بیماری سے ہلاک ہو گیا اور اربد کو ایک آسمانی آواز نے ہلاک کر دیا ۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں نے ایک بُرے کام کا ارادہ کیا تھا ۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنے اس ارادے میں ناکام بنا دیا ۔" اس کے بعد حدیث کا مضمون یہ ہے :۔

یہ واقعہ اس حدیث شریف سے لیا گیا ہے جس کو بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے (واقعہ یوں ہے) بنی عامر قبیلے کا ایک وفد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا ۔ اس وفد میں عامر بن طفیل اربد بن قیس اور خالد بن جعفر بھی شامل تھے ۔ یہ تینوں اپنی قوم کے سرکردہ سرداروں میں سے تھے ۔ عامر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف اس لیے حاضر ہوا تھا کہ وہ آپ کو دھوکہ دے ۔ حاضر ہونے سے پہلے عامر نے اربد سے مشورہ کیا تھا کہ جس وقت وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آ جائیں تو عامر آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو باتوں میں لگا دے اور اربد تلوار سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دے ۔

باتوں باتوں میں عامر نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کر دیا اور کہا کہ حضور ! آپ ہمارے ساتھ دوستی کیجیے ۔ پیارے رسولؐ نے فرمایا ۔ دوستی کے لیے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ "آپ شرک چھوڑ دیں اور خدا کو ایک مانیں ۔"

جس وقت عامر نے دیکھا کہ پیارا رسول سوائے اسلام لانے کے اور کوئی شرط قبول نہیں فرماتے تو اُس نے اپنی باتوں میں تیزی پیدا کی اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا : اے محمدؐ ! خدا کی قسم ! میں آپ سے لڑوں گا اور آپ کے مقابلے میں لاتعداد بہادر نوجوانوں کو لا کھڑا کر دوں گا ۔"

راوی کہتا ہے کہ جس وقت وُہ واپس ہوئے تو پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ "اے اللہ ! عامر پر قہر نازل فرما ۔"

مجلس نبویؐ سے باہر نکلنے کے بعد عامر نے اربد سے کہا کہ اے کمبخت ! آپ نے میرے کہنے کے

مطابق عمل کیوں نہ کیا ؟ اربد نے کہا " میں نے طے شدہ پروگرام کے تحت کئی دفعہ نبی کریم پر وار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر میں کیا کروں جب بھی میں نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر تلوار سے وار کرنے کا ارادہ کیا میں نے آپ کو اپنے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل پایا۔ اب اگر میں وار کرتا تو یقیناً آپ زد میں آجاتے اور وہ بچ نکلتے۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے میں آپ کو کیسے قتل کر سکتا تھا ؟ اس کے بعد سارے لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے مگر عامر جونہی اپنے گھر پہنچا اللہ تعالےٰ کے حکم سے طاعون کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور بنی سلول خاندان کی ایک عورت کے گھر میں چل بسا۔ باقی ساتھی بنی عامر کے علاقے میں پہنچ گئے۔ لوگوں نے آپؐ کے بارہ میں پوچھا۔ اربد نے جواب دیا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں ایک خدا کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس ذات کو دیکھ پاؤں (نعوذ باللہ) اور تیروں سے اس کو چھلنی کر دوں "

راوی کہتا ہے کہ ان کلمات کے کہنے کے دو تین دن بعد وہ اپنا اُونٹ بیچنے جا رہا تھا کہ اچانک بجلی گری اور اربد اور اُس کا اُونٹ دونوں جل گئے۔ مولانا اعزاز علیؒ کے نزدیک اس ایک واقعہ میں تین بڑے معجزات بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا معجزہ یہ ہے کہ اربد پیارے رسول کو تکلیف نہ پہنچا سکا اور اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کو بچانے کے لیے عامر جیسے شخص کو وسیلہ بنایا جو پیارے رسول کا کٹر دشمن تھا اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتا تھا۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ عامر طاعون کی بیماری سے ہلاک ہو گیا۔

تیسرا معجزہ یہ ہے کہ اربد خدا کے قہر میں گرفتار ہو گیا۔

اضافہ بے شک یہ بات مانی گئی ہے کہ طاعون کافر کے حق میں نہ صرف آسمانی قہر ہے بلکہ غضب خدا بھی ہے۔ جیسے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیارے رسول نے عامر کو جو باتیں کہیں وہ طاعون کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ لیکن بحمد اللہ مسلمان کے حق میں یہ مرگ مرگ شہادت ہے۔ پیارے رسول فرماتے ہیں :-

الطاعون شہادۃ کل مسلم " طاعون کی موت سارے مسلمانوں کے لیے شہادت کی موت ہے "

اب دیکھنا یہ ہے کہ رعد و برق اور صاعقہ حقیقت میں کیا ہیں ؟ ان کے بارے میں موجودہ تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں ایک قوت کہربائیہ موجبہ ہوتی ہے اور زمین میں قوت کہربائیہ سالبہ۔ جو بادل زمین کے قریب ہوتے ہیں تو ان پر زمین کی قوت کہربائیہ سالبہ سرایت کر جاتی ہے۔ پھر ان بادلوں کے اوپر وہ بادل گزرتے ہیں جن میں قوت کہربائیہ موجبہ ہوتی ہے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جس وقت دو مختلف قوت کہربائیہ رکھنے والے اجسام ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو دونوں ایک

دُوسرے کی قوت کہربائیہ اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور یہ ایک قدرتی امر ہے اس قاعدے کے مطابق جب وہ دونوں بادل ایک دُوسرے کی قوت کہُربائیہ اپنی طرف کھینچتے ہیں تو دونوں متضاد قوتوں کے آپس میں ملنے سے ایک شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس حرارت سے بادلوں کے حجم کی مناسبت سے ایک آتشی شعلہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو صاعقہ کہتے ہیں اور جو روشنی اس صاعقہ سے نکلتی ہے اس کو برق کہتے ہیں اور ہوا میں صاعقے کی سرایت کی وجہ سے جو آواز پیدا ہو جاتی ہے اس کو رعد کہتے ہیں۔ بجلی کی آتشی چنگاری کبھی کبھار بادلوں کو پھاڑتی ہے اور زمین پر گرتی ہے اور بڑے بڑے پہاڑوں میں دراڑیں پیدا کرتی ہے اسی کو پشتو میں تندر کہتے ہیں۔

فوائد شریف یہ کتاب قاسم نامی شخص کی تالیف ہے۔ پریس اور تاریخ طباعت معلوم نہیں ہیں۔ ۴۰۴ صفحات اور ۸۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب اپنے مضامین کے لحاظ سے بڑی اہم ہے۔

اس میں تمام ضروری مسائل جو ایک عام کے لیے بہت اہم ہوتی ہیں بڑے آسان اور عام فہم انداز سے بیان کئے گئے ہیں۔ مسائل کے ماخذ مستند ہیں۔ ارکان ایمان اور اسلام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

سیرت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سترھویں باب سے شروع ہو جاتی ہے اور آخر تک چلتی ہے۔ پہلے آپؐ کی خصلتوں کا بیان ہے۔ پھر آپ کے معجزات کا۔ پھر آپ کی اولاد کا۔ پھر امہات المؤمنین کا۔ پھر آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا۔ پھر آپؐ کی وفات کا اور پھر آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ان بیبیوں کا جو آپؐ کی وفات کے بعد زندہ تھیں۔

کتاب ہذا اپنی جامعیت کے لحاظ سے لاثانی ہے۔ اس قسم کی کتاب میرے اندازے کے مطابق ابھی تک پشتون قوم کے سامنے نہیں آئی ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر پشتون گھرانوں میں یہ کتاب نہیں پائی جاتی۔ چونکہ اس میں نماز، روزے، حج، زکواۃ اور دوسرے ضروری مسائل بھی مستند اور عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس لیے اس کی موجودگی ہر پشتون گھرانے میں بہت ضروری ہے۔

درمجالس اس کتاب کے مصنف عبدالکبیر نامی شخص ہیں۔ کتاب ہندو پریس دھلی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی ہے اور تین سو بیس (۳۲۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب منظوم ہے۔

کتاب کی کتابت ۱۱۵۵ھ میں نادر شاہ کے زمانے میں ہوئی۔ بقول مصنف کتاب اصل میں فارسی زبان میں تھی اور مصنف نے اس کو پشتو زبان میں منتقل کر دیا۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ فارسی کی کتاب کس کی ہے مصنف کی ہے یا کسی اور شخص کی۔

کتاب میں ۳۳ ابواب ہیں۔ پہلے باب میں حضرت آدم علیہ السلام کے حالات درج ہیں۔ دوسرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، تیسرے میں حضرت شعیب علیہ السلام کے۔ چوتھے میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کے۔ پانچویں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے۔ اور ساتویں میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں میں والدین کی خدمت کا ذکر ہے۔ نویں میں جنگِ احد کا ذکر ہے۔ دسویں میں سیرت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ گیارہویں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ بارہویں باب میں امہات المؤمنین کا ذکر ہے۔ اسی طرح چیدہ چیدہ صحابہ کرام کے حالات کے لیے بھی الگ الگ باب قائم کئے گئے ہیں۔

کتاب میں چند صفحات چھپائی سے رہ گئے ہیں اس لیے اس کی کتابت ہاتھ سے کی گئی ہے یہ صفحات ۱۸۵ سے ۲۱۶ تک ہیں۔

جدید معراج نامہ

کتاب کے مؤلف غلام محمد گگیانڑی ہیں[1]۔ یہ رحمانیہ پریس پشاور سے شائع ہوئی ہے۔ تاریخ طباعت نامعلوم ہے۔ البتہ تاریخ کتابت ۱۳۰۱ھ ہے۔

زیر نظر کتاب ایک فارسی کتاب کا پشتو ترجمہ ہے مگر فارسی کی کتاب کے مصنف کا نام اور کوائف معلوم نہیں ہیں۔

کتاب منظوم شکل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج کی داستان ہے۔ اشعار کی زبان عام فہم ہے اگرچہ ان میں روانی نہیں۔

---

[1] مترجم علاقہ دوآبہ (چارسدہ) کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے والد کا نام شیر خان ہے۔ آپ کا پتہ گگیانڑی ہے اور قوم موسےٰ خیل۔ آپ کی سکونت ہندوستان میں رہی ہے۔

خواتین کا صفحہ

از محترمہ مہ جبین سالک ۔ لاہور

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیق

اسلام کی ــــ عظیم بیٹی کی ــــ خصوصیات

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں ۔ حضرت عائشہ آپ کی سوتیلی بہن اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر آپ کے حقیقی بھائی تھے آپ کی والدہ قریش کے ایک معزز سردار عبدالعزیٰ کی بیٹی قتیلہؓ تھیں ۔

حضرت اسماءؓ ہجرت سے ستائیس سال قبل مکّہ میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کی شادی اُن کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوئی ۔ حضرت زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ہجرت نبویؐ سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے تھے ۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی ۔ آپ آنحضرت صلعم کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حقیقی بھتیجے تھے ۔ بہت عالی حوصلہ ، بہادر اور اولوالعزم آدمی تھے ۔ حضرت زبیر نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ شادی سے بعد حضرت زبیرؓ کے چھ بچے ہوئے : حضرت عبداللہ بن زبیر ، عروہ ، منذر ، خدیجہ ، ام الحسن اور عائشہ ۔

حضرت اسماءؓ ان تمام خوبیوں سے مالامال تھیں جو کہ صحیح معنوں میں اسلام کی عظیم بیٹی کے لیے ضروری ہیں ۔ اخلاق کا پیکر تھیں ، نہایت صابر و شاکر ، خدمت گزار ، متحمل مزاج ، خوددار ، فیاض اور نیکی کی طرف مائل تھیں ۔ حق گوئی ، تدبر اور استقلال میں اپنی مثال آپ اور اخلاقی جرأت سے مالامال تھیں ۔ اسماءؓ کو " ذات النطاقین " کا لقب ملا ہوا تھا ۔ اس بارے میں روایت مشہور ہے کہ :

" مکّہ میں تبلیغ اسلام کے بعد کفار مکّہ نے آنحضرت صلعم کو بہت تنگ کیا اور ہر قسم کی ایذائیں اور تکالیف پہنچانے لگے ۔ حتیٰ کہ آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کیا ۔ ان تمام مسائل کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہجرت فرمانے کا حکم ملا اور آپؐ نے مکّہ کو خیر باد کہنے کا قصد کیا اور مدینہ منورہ کی طرف چلے ۔ آپؐ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانے کا خواب دیکھ چکے تھے ۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپؐ کے ہمراہ تھے ۔ چنانچہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ساتھ لے کر مکّہ سے باہر کچھ دُور جا کر جبلِ ثور کے غار میں رُک گئے تاکہ دُشمن اگر تلاش میں آئیں تو انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ آپؐ کس سمت کو گئے ہیں ۔

کفارِ مکہ کو جب آپ کی روانگی کا علم ہُوا تو وہ آپؐ کی تلاش میں نکلے اور اسی تلاش و جستجو میں سلسلہ میں کئی بار اِس غار کے مُنہ تک بھی پہنچے ۔ مگر ان کو غار میں آپؐ کی موجودگی کا علم نہ ہو سکا ۔ مکّہ میں آنحضورؐ کے کچھ رفقاء آپؐ کی مدد کیا کرتے تھے ۔

حضرت اسماءؓ بھی انہی رفقاء میں سے تھیں ۔ یہ ہر روز رات کو رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لے کر جاتی تھیں ۔ کفار کو جب آپؐ کی تلاش میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے سو اونٹوں کا انعام مقرر کر دیا کہ جو شخص آپؐ کی تلاش میں کامیاب ہو گیا اس کو دیا جائے گا ۔ اس بات کے تیسرے روز جب حضرت اسماءؓ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لے کر گئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ علی کرم اللہ وجہہ سے کہہ دینا کہ کل رات کو تین اُونٹ اور ایک ایسے آدمی کو لے کر آ جائیں جو راستوں سے واقف ہو ۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگلے روز تین اُونٹ اور ایک واقفِ راہ آدمی کو لے کر آ گئے ۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی دو تین دن کا ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ لانے لگیں تو ان چیزوں کو باندھنے کی ضرورت پیش آئی ۔ اس وقت جلدی میں کوئی رسّی وغیرہ نہ مل سکی تو اُنہوں نے اپنی کمر سے نطاق (یعنی وہ کپڑا جو عرب عورتیں اپنی کمر کے گرد باندھتی تھیں) کھولا اور اس کے دو حصّے کر کے ان دونوں چیزوں کو باندھا ۔ اس پر آپ کو دربارِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے "ذات النطاقین" کا لقب ملا ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور قدرے سکون ہُوا تو خواتین کو بلانے کا قصد کیا ۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مکہ بھیجا ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے اور حضرت اسماءؓ کے حقیقی بھائی عبداللہ بن ابو بکرؓ بھی اپنی والدہ اور دونوں بہنوں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے ۔ جب مقام قباء پر پہنچے تو حضرت اسماءؓ کے ہاں عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی ۔ ہجرت کے بعد اسلام میں یہ پہلی ولادت باسعادت تھی ۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں ۔ شجاعت و سخاوت میں اپنی مثال آپ اور مجسمۂ خوبی تھیں ۔ بہادری و جفاکشی انتہا درجے کی اِن میں تھی ۔ ہجرت کے زمانے کے مصائب میں بے حد حوصلہ مندی اور جفاکشی کا مظاہرہ کر کے اور اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنی خدمات وقف کر کے انہوں نے صحیح معنوں میں اسلام کی عظیم بیٹی ہونے کا ثبوت پیش کیا ۔ وہ عالمِ اسلام کی تمام دختران کے لیے ایک روشن مثال ہیں ۔ خدا تعالےٰ اس مثال کو قائم رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

آمین : ثم آمین ::

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مکّہ میں اسلام لائی تھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے شرفِ بیعت حاصل کیا تھا آپ نے کئی حج کئے ۔ پہلا حج رسول پاکؐ کے ساتھ ہی کیا تھا ۔

۶۶ھ میں حضرت اسماءؓ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عراق کے خلیفہ مقرر ہوئے ۔ یزید اس وقت سلطنتِ بنو اُمیّہ کا فرماں روا تھا ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ بعد میں جب عبدالمالک بن مروان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور اس کے وزیر حجاج نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا اور یکم ذی الحجہ ۷۲ھ کو مکّہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا اور رسد بھی بند کر دی گئی ۔ یہ لڑائی چھ ماہ تک جاری رہی ۔ محاصرے کی تکلیفوں سے تنگ آ کر حضرت عبداللہ کے ساتھی بھاگ گئے ۔ ایسے آڑے وقت میں ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ جانا اور بھی پریشانی کا باعث ہُوا ۔

حضرت عبداللہ اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ مَیں ساتھیوں کی بے وفائی اور بے صبری سے بہت دل برداشتہ ہُوا ہُوں ۔ حضرت اسماء نے اُنہیں کہا کہ اگر تمہیں یقین کامل ہے کہ تم حق اور صداقت پر ہو تو تمہیں ثابت قدم رہنا چاہیئے ۔ مردوں کی طرح بہادری سے لڑو ۔ اپنی جان کے خوف سے ذلّت برداشت نہ کرنا ۔ جاؤ اور جفاکشی سے لڑو ۔ اگر تم شہید ہو گئے تو یہ بڑے خوشی کی بات ہو گی اور اگر تم دُنیا وی خواہشات کے تابع نکلے تو تُم سا بد قسمت کوئی اور شخص نہ ہو گا ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی والدہ کی دُعائیں اور نصیحتیں لے کر دوبارہ جا کر حجاج کی صفوں میں گُھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے ۔ حجاج نے ان کی لاش حجون میں لٹکا دی ۔ دو تین روز کے بعد حضرت اسماء اپنی ایک کنیز کو ہمراہ لیتے ہوئے تشریف لائیں تو انھوں نے دیکھا کہ لاش لٹکی ہُوئی ہے ۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر بھی صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑا ۔ اور فرمانے لگیں :-

"کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اسلام کا شہسوار گھوڑے سے اُترے"۔

حجاج نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ تیرے لڑکے نے خدا تعالےٰ کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلانے کی کوشش کی تھی جس کی اس کو سزا ملی ہے۔

اس پر حضرت اسماءؓ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمانے لگیں کہ:

"تُو نے تو اس کی دنیا خراب کی ہے مگر اس نے تیری عاقبت خراب کر دی"۔

چند ایام کے بعد عبداللہ ابن مروان کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش نیچے اتاری گئی۔ حضرت اسماءؓ نے اپنے ہاتھوں سے لاش کو غسل دیا۔ اتنے دنوں تک لٹکی رہنے کے باعث لاش کی ہڈیاں اور جوڑ علیحدہ ہو چکے تھے جس کی وجہ سے بہت دقت پیش آئی۔ پھر بھی حضرت اسماءؓ نے بڑی بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کام اپنے ہی ہاتھوں سے انجام دیا۔

حضرت اسماءؓ بے حد صابر و شاکر اور مضبوط حوصلے کی مالک خاتون تھیں۔ راست گوئی آپ کا خاص شعار تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے چند روز بعد ہی حضرت اسماءؓ نے سو برس کی عمر میں ربیع الاوّل ۷۳ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پندرہ روزہ الداعی — (عربی)

کے بارہ میں وضاحت

پچھلے شمارہ میں دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونے والے عربی مجلہ پندرہ روزہ الداعی کا اعلان ہوا تھا۔ جسے پڑھ کر ملک بھر سے استفسار ہونے لگا اس لئے وضاحت ضروری ہے کہ چونکہ پاک بھارت کے درمیان ڈاک کے مصارف بے حد ہیں۔ اس لئے الداعی نے پاکستانی حضرات کیلئے عام ڈاک سے زرسالانہ چالیس روپے رکھا ہے اور ہوائی ڈاک سے پچھتر روپے۔ جو حضرات جس ذریعہ سے منگوانا چاہیں اتنا زرسالانہ دفتر الحق کو ارسال فرما دیں، اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ الداعی دیوبند کیلئے ہے۔ اور خود بھی الداعی کو ترسیل زر کی اطلاع دیں چونکہ بھارت کے ساتھ رسل و رسائل میں تاخیر و انقطاع معمول کی بات ہے اس لئے الداعی کے متعلق شکایات اور جملہ امور کیلئے اس کے خریدار دفتر الحق سے نہیں بلکہ الداعی دیوبند سے رجوع کرتے رہیں گے۔ دفتر الحق صرف زرسالانہ بطور امانت رکھے گا۔

الحق — اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (پاکستان)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED
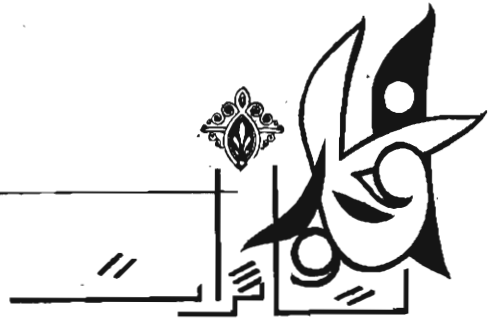
★ — مستشرقین کے گھر کا ایک بھیدی | گذشتہ ہفتہ نیویارک ٹائمز کے Book Review میں ایک لبنانی عیسائی مستشرق ایڈورڈ سعید کا اسلامی موضوعات پر حال میں شائع ہونے والی کتابوں پر ایک تفصیلی تبصرہ شائع ہوا ہے جو بہت مزہ کی چیز ہے۔ اس نے مستشرقین کی ایک پوری نسل کی خوب خبر لی ہے اور یہ لوگ اسلام اور عالم عرب کو جس محدود نقطۂ نظر سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اس پر نہایت جاندار تنقید کی ہے۔ ایڈورڈ سعید دراصل مستشرقین کی نئی نسل کے نمائندے ہیں جو پرانی نسل کے نمائندوں یعنی شاخت، گولڈ زیہر، گرونے بام، منٹگمری واٹ، برنارڈ لیوس وغیرہ کے کام کو نیم رومانی اور نیم کلاسیکی اپروچ اور ایک چھپے ہوئے تعصب کا کام قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ پرانی نسل کے مستشرقین نے نہ اسلام کے ساتھ انصاف کیا ہے اور نہ عالم عرب کے ساتھ بلکہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے بنائے ہوئے تصورات، categories اور classifications کے تحت سمجھنے کی کوشش کی ہے، جو ایک بنیادی غلطی کی نشاندہی کرتی ہے۔ ایڈورڈ سعید کے اس تفصیلی اور تجرباتی تبصرے نے یہاں یونیورسٹی آف شکاگو میں اور دیگر ان علمی اداروں میں جہاں اسلام اور مسلمانوں پر کام ہو رہا ہے۔ خاصی ہلچل پیدا کر دی ہے۔ نیویارک ٹائمز میں ان کے اس تبصرے کے بعد کئی لوگوں نے تائیدی اور مخالفانہ خطوط بھی لکھے ہیں۔

(ممتاز احمد۔ شکاگو۔ امریکہ)

★ — دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ سے الحق کے ذریعہ آپ کا تعارف حاصل ہے، آپ کے وقیع اداریئے بہت ذوق شوق اور اہتمام کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، لیکن ادھر سیاسی حالات نے مجھے آپ سے جدا رکھا، حیدر آباد دکن سے ایک روزنامہ نوید دکن کے نام سے نکل رہا ہے، دینی معلومات پر ایک صفحہ ہے، دیوبند کے مکتب فکر سے ہم آہنگ ہے۔ ندائے حجازنہ ایک مستقل کالم ہے جس کے لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ الحق کے پرانے پرچوں سے آپ کے اور دیگر اہل علم کے مضامین دیتا رہتا ہوں، تاکہ حق کی باتیں نوید دکن کے حلقہ میں پہنچائی جا سکیں۔

(محمد رضوان القاسمی۔ حیدر آباد دکن۔ انڈیا)

★ــــ آج کہا جارہا ہے کہ بے گناہ کے قاتل کو معاف کرکے قتل کو اچھا فعل سمجھا جائے اور یہ کام اسلام کے نام پر ہو تاکہ دشمنانِ اسلام کہہ سکیں کہ اسلام میں با اختیار فرد کے ہاتھوں بے گناہوں کا قتل جائز ہے، کیا سرکار دو عالمؐ کی زندگی سے کوئی ایک مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ آپ نے کسی زانی اور قاتل کو معاف فرمایا ہو۔

(ابوالحسن کورنگی ۔ کراچی)

★ــــ غالباً پروفیسر محمد اسلم کے مضمون "سرور الصدور" کو اشاعت سے قبل آپ نے پڑھا نہیں اس میں سلطان التارکین کا مقولہ کے زیر عنوان نماز روزہ حج کا کیسے مذاق ہے اسی طرح ص۲۶ پر سلطان التارکین کی اہلیہ کی وفات کے بعد لوگوں کا مزار پر جاکر حاجتیں مانگنے کا ذکر اسی طرح ص۳۴ دہلی میں منجموں کا ذکر یہ سب باتیں الحق جیسے ذمہ دار اور عظیم پرچہ میں نہیں شائع کرنی تھیں کیونکہ پھر یہ معمولی باتیں بھی وزنی حجت بن جاتی ہیں۔ (مولانا عزیز الرحمٰن فاضل حقانیہ)

الحق :ــــ واقعی ادارہ کی سہوِ نظر کی وجہ سے مذکورہ مضمون میں بعض باتیں قابلِ گرفت شائع ہوگئیں، اللہ تعالیٰ معاف فرماوے ۔ (ادارہ)

★ــــ فراق اور تقسیم کے بعد آپ حضرات سے رابطہ قائم نہ ہوسکا، ہم اپنے اکابرین دینی قائدین اور رہنماؤں سے کٹ گئے ہیں۔ اس زخم کی تلافی ممکن نہیں۔ الحق کے لئے تڑپ رہے ہیں، دل کا صدمہ کیسے بیان ہو، اگر گویم زبان سوزد۔ (حبیب الرحمان قاضی بازار سلہٹ ۔ بنگلہ دیش)

★ــــ اب تو حکومت ہائی سکولوں کی ہائی جماعتوں کو پڑھانے والے مشرقی علوم کے اساتذہ کے مسائل کیطرف توجہ دے اور اساتذہ السنۂ شرقیہ کو انگریزی اساتذہ کے برابر پے سکیل دیا جائے جبکہ عربی زبان کی تدریس کو جماعت ہشتم سے لازمی زبان کا درجہ حاصل ہوگیا تو یہ مطالبہ اور بھی مبنی بر حقیقت ہے۔

(محمد امیر خان بھینند تلہ گنگ)

★ــــ انجمن محبانِ صحابہؓ کی مرکزی شوریٰ کا مطالبہ ہے کہ خلفائے راشدین کے ایام شہادت سرکاری طور پر منائے جائیں، ذرائع ابلاغ سے خاص پروگرام نشر ہوں، دل آزار فرقوں کو اپنی عبادت گاہوں میں مذہبی رسوم ادا کرنے کا پابند بنایا جائے تاکہ شرپسند عناصر کو کشیدگی پھیلانے کا موقعہ نہ مل سکے۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر سے یہ بھی مطالبہ ہے۔ کہ مسلم افواج کا ماٹو صرف نعرۂ تکبیر اللہ اکبر قرار دیا جاوے، باقی ہر قسم کے نعروں کی ممانعت کی جائے۔

(انجمن محبانِ صحابہؓ ڈیرہ اسماعیل خان)

★ــــ طویل مدت کے بعد الحق کو پڑھ کر روحانی تسکین حاصل ہوئی اسلامی اخبارات کی کمی کی وجہ سے احساس کمتری اور حالتِ قبض کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی ڈھاکہ میں منعقدہ تبلیغی اجتماع سے واپس آکر اپنا محبوب ترین اخبار الحق ملا تو سجدۂ شکر بجالایا۔ حضرۃ شیخ الحدیث کی صحت کیلئے جامعہ مدنیہ میں دعائے صحت کی گئی۔

(مہتمم جامعہ مدنیہ ۔ سلہٹ ۔ بنگلہ دیش)
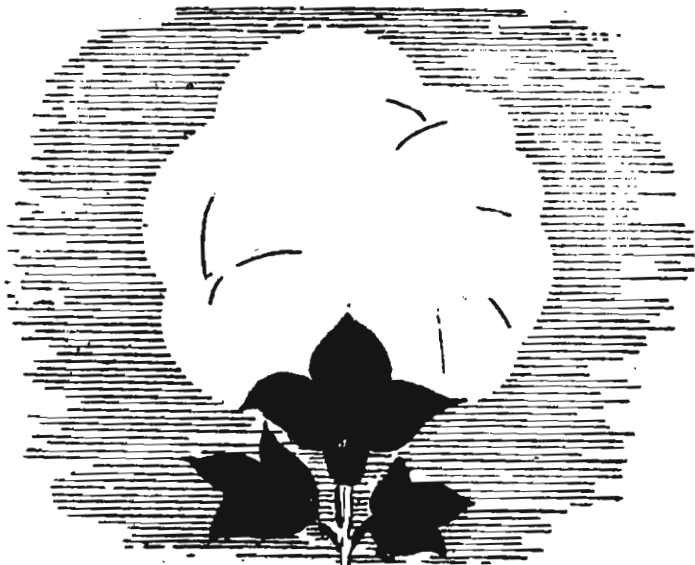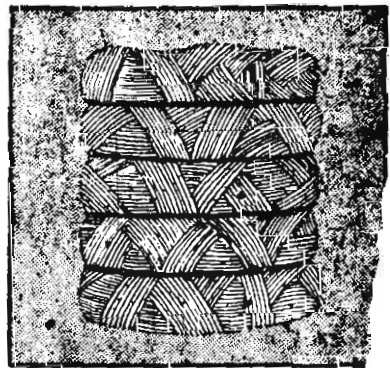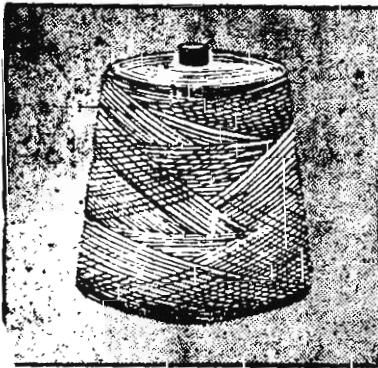
مولانا قاضی عبدالصمد سربازی مرحوم فاضل امینیہ دہلی
انجارج محکمہ شرعیہ مجلس شوریٰ قلات ڈویژن

مولانا انورشاہ کشمیریؒ کے املائی افادات پر مشتمل شرح بخاری۔ انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری اشاعت پذیر ہوا تو حضرت مولانا قاضی عبدالصمد صاحب سربازی نے روانیٔ طبع میں ایک قصیدہ مدحیہ ارسال فرمایا جو افسوس اسوقت شائع نہ ہوسکا مگر اب ان کے وصال کے بعد بھی بطور تبرکات ہم اسے شائع کر کے محفوظ کرانا چاہتے ہیں۔

"ادارہ"

چہ خیر کثیر است انوار باری — بود تا بہ محشر ز صدقات جاری

بغور ار بخوانی تو انوار باری — بدیگر کتب احتیاجے نداری
بتوضیح و تشریح شرحے مفصل — بار دد زبان بر کتاب بخاری
چہ گویم ز شرحے کہ شرح صدر است — کند دفع ہر شبہ از غمگساری
ز بحث مذاہب ز حلّ مسائل — بدل مطمئن گردی از بے قراری
شِفَاءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْر است لاریب — بہ ہر کج روے ہست یک ضرب کاری
ز درگاہ باری شآبیب رحمت — کہ بر کشت دلہا کند آبیاری
برائے ہمہ نفع بخش است بے حد — بہ تلمیذ و استاد و ملّا و قاری
کسے را ازیں بے نیازی نباشد — کہ بر تشنگان ہمچو ابر بہاری
فیوضات "انورؒ" کہ استاد کل است — یکے بحری است ذخار جاری و ساری
با بصار "نور علی نور" گشتہ — پر از نور گردیدہ انوار باری
ز تالیف علامہ احمد رضا شاہ — کہ توفیق باری باد کردیاری

ـــــــــــــــــــــــــــــ

سے۔ استاذ العلماء امام العصر شیخ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ

بتطبیق اقوال خیر البریہ — ز محنت کشیدہ بسے رنج وخواری

بمیدان شرح حدیث پیمبر — کسے کم کند ایں چنیں شہسواری

بترجیح فقہ امام الائمہ — بسے نکتہ ہا گفتہ از دلفگاری

بایں حسن وخوبی بہ شکل شگفتہ — سبق بردہ است از دُر شاہواری

بصورت چہ زیبا بہ معنے چہ دلکش — بدیں جلوہ افروزی و گلعذاری

ازیں خوب تر ہیچ چشمے ندیدہ — بجا ہست اگر بے نظیرش شماری

چہ خیر کثیر است "انوار باری" — بود تا بہ محشر ز صدقات جاری

الٰہی تو ایں فیض را عام گرداں — دعائے است از بندہ باآہ وزاری

بہ سربازی خویش بخشا کریما

تو بیشک غفوری و آمرزگاری

دار العلوم دیوبند

اور اسکے

چند نامور فضلاء سرحد

مولانا قاضی عبد الحلیم صاحب فاضل حقانیہ

وسط اپریل میں مدرسہ نجم المدارس کلاچی کا اٹھائیسواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں مشاہیر علماء نے شرکت کی، جلسہ میں علماء نے دار العلوم دیوبند کی خدمات کو تفصیلی خراج تحسین پیش کیا۔ ذیل کی نظم میں مولانا قاضی عبد الحلیم صاحب نے دار العلوم دیوبند اور اس کے سرحد کے بعض نامور فضلاء کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اور سامعین کے اصرار پر یہ نظم جلسہ کی تین نشستوں میں پڑھی گئی۔ "ادارہ"

دین و دانش کے جہاں کا تجھے سیلاب کہوں — یا تجھے علم کا اک گلشن شاداب کہوں

کتنی زرخیز ہے مٹی تری دستے بند زمین — لوگ کہتے ہیں تجھے گوہر نایاب کہوں

تو نے پیدا کئے وہ گوہر یکتائے جہاں — جگمگاتے ہوئے تارے نہیں مہتاب کہوں

تیری تسنیم سے نکلے جو ہیں قطرے ان کو — کتنا صحیح ہوگا اگر ان کو میں سیماب کہوں

سیل ہے علم کا بہتا ہے تیرے دامن میں — اس کے ہر قطرے کو کیا خوب ہیں میزاب کہوں

فخر سے نام تیرا لیتی ہے دنیا ہر دم — زینت منبر و مسجد کہوں محراب کہوں

خاک کے ذرہ کی تیری جو میں قیمت ڈالوں — جی میں آتا ہے انہیں رشک میں کمخواب کہوں

تیری طوبیٰ کی جو اک شاخ ہے دیکھی میں نے — شمس[1] حق ہے جسے میں گلشن و گل ناب کہوں

ہاں وہی چرخ ولایت کے جو ہیں شمس منیر — کیوں نہ میں اشرف والور کا اسے آب کہوں

تیرے مدنیؒ کے سمندر سے جو اک چھینٹ آئی — عبد حق[2] ہے جسے میں علم کا دریاب کہوں

تیرے افلاک میں ہیں کتنے درخشندہ نجوم — ہے بجا ان میں میں یوسف[3] کو جہاں تاب کہوں

تیری پیشانی پہ کتنا ہے نمایاں محمود[4] — جسے میں فقہ و سیاست کا کھلا باب کہوں

نام روشن ہے تیرے والد ماجد کا نسیم[5] — جسے میں علم و بصیرت کا مئے ناب کہوں

لاکھ ہو دور کلاچی مگر ہے فیض اس کا — زیب دیتا ہے کہ اس نجم[6] کو مہتاب کہوں

---

[1] حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ۔ ترنگ زئی۔ [2] امیر المومنین فی الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ۔ [3] حضرت بنوریؒ [4] حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ [5] حافظ محمد نسیم شاعر کا بھائی ہے اور اس شعر میں حضرت مولانا قاضی عبد الکریم صاحب مدظلہ مہتمم نجم المدارس کلاچی مراد ہیں۔ [6] نجم المدارس کلاچی۔

دارالعلوم حقانیہ کے

شفیق فاروقی

حضرۃ قاری محمد طیب مدظلہٗ کا سفر پاکستان اور حضرۃ شیخ الحدیث مدظلہٗ کا سفر لاہور

مئی کے پہلے ہفتہ میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند لاہور تشریف لائے اس
بعہ پر حضرت کے میزبان جامعہ اشرفیہ لاہور نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کو بھی لاہور تشریف
رجامعہ کے جلسہ دستاربندی میں شرکت کی دعوت دی۔ خود حضرت قاری صاحب سے ملاقات کے داعیہ
ور خواہش نے بھی حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو ضعف و علالت کے باوجود لاہور جانے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ
۵ مئی کو حضرت شیخ الحدیث لاہور تشریف لے گئے، ان کے ساتھ احقر کے علاوہ مولانا سمیع الحق صاحب
ایڈیٹر الحق اور ان کے برادرِ خورد مولانا انوار الحق صاحب بھی تھے۔ عصر کو حکیم الاسلام مدظلہٗ سے ملاقات ہوئی،
وہ دیکھنے کا منظر تھا حضرت قاری صاحب مدظلہٗ حضرت کو دیکھ کر بار بار فرماتے کہ زیارت کی بے انتہا خوشی
ہے۔ مگر اتنے ضعف میں میری خاطر تشریف لانے سے طبیعت پر بے حد بار اور بوجھ ہے۔ ان کی پہلی مجلس میں
جو گفتگو ہوئی اس کا کچھ حصہ دوسرے موقعہ پر قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

نمازِ مغرب کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور کے جلسۂ دستاربندی
میں شرکت کی، جس میں حکیم الاسلام مدظلہٗ کی تقریباً دو گھنٹے تک عالمانہ تقریر ہوئی، دوسرے دن ۵ بجے عصر کو لاہور
کے باغِ جناح کے سبزہ زار میں اسلام کا نظام مملکت نامی کتاب مصنفہ مولانا حامد الانصاری غازی کی تقریب
رونمائی تھی جس میں حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ مہمانِ خصوصی تھے۔ اس تقریب میں بھی حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ
آخر تک شریک رہے، حضرت حکیم الاسلام نے مذکورہ کتاب کے ضمن میں اسلام کے نظامِ حکومت پر
مختصراً جامع انداز میں روشنی ڈالی اس کتاب کو مکتبۃ الحسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور نے شائع کیا ہے اور تقریب
کا اہتمام مجلس العلماء پاکستان اور مولانا فضل الرحیم مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کے مساعی سے ہوا تھا۔ اور لاہور کے
پڑھے لکھے سینکڑوں افراد اس میں مہمان تھے۔ ۷ مئی کو حضرت شیخ الحدیث نے بعض ماہر امراضِ قلب و

ماہر امراض چشم ڈاکٹروں سے معائنہ کرایا۔ ۸ رمئی کو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ واہگہ کے راستے عازم ہند ہوئے۔ سرحد تک حضرۃ کے ساتھ جانے کیلئے کئی خدام و معتقدین موجود تھے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے یہاں دارالعلوم دیوبند کیلئے مؤتمر المصنفین کی مطبوعات کا ایک سیٹ حضرت مدظلہٗ کی خدمت میں پیش کیا، واہگہ کے وی، آئی، پی روم میں آپ نے ایڈیٹر الحق کی کتاب "اسلام اور عصر حاضر" کی فہرست مضامین وغیرہ کا مطالعہ کیا اور مختصر مگر سیر حاصل تبصرہ بھی کتاب پر تحریر فرمایا جو شریک اشاعت ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی پہلی ملاقات میں دارالعلوم دیوبند کے بارہ میں کئی تازہ معلومات پر مبنی بات چیت جو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ریکارڈ کر لی گئی تھی کے کچھ حصے اسی شمارہ میں قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ جو قارئین الحق کیلئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

متفرقات ۲۹ راپریل — نواب غلام فاروق خان سابق ایم این اے و سابق وزیر دفاع حضرت شیخ الحدیث سے ملنے تشریف لائے، آپ نے زیر تعمیر لائبریری کے لئے پانچ ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ دیا۔ ۲۷ راپریل — آزاد تجارتی مارکیٹ باڑہ کے دینی مدرسہ کے جلسہ دستار بندی میں مولانا سمیع الحق، مولانا حسن جان، مولانا محمد فرید مفتی مولانا محمد ہارون اساتذہ دارالعلوم نے شرکت کی اور خطاب کیا، یہ مدرسہ فضلاء حقانیہ کی سعی و اہتمام سے چل رہا ہے۔ ۱۵ رمئی — لاہور میں وفاق المدارس العربیہ کی مرکزی میٹنگ میں دارالعلوم سے مولانا حافظ انوار الحق نے شرکت کی۔ ۱۰ رمئی — دارالعلوم میں مولوی شرف الدین بلوچستانی فاضل حقانیہ کی دستار بندی حضرت شیخ الحدیث اور اساتذہ کے ہاتھوں انجام پائی۔

۲۴ رمئی — مولانا سمیع الحق صاحب نے انجمن محبان صحابہ ڈیرہ اسماعیل خان کی خواہش پر مذکورہ انجمن کے ایک نمائندہ وفد کے اسلام آباد میں وفاقی مشیر تعلیم خان محمد علی خان آف ہوتی سے ملاقات اور انہیں سکولوں کے نصاب دینیات کے سلسلہ میں شیعہ حضرات کی ریشہ دوانیوں اور اہل سنت کے خدشات اور بے چینی سے آگاہ کیا یہ ملاقات ایک گھنٹہ تک جاری رہی

دارالعلوم کے ایک بہت ہی پرانے کارکن ملک رحیم گل صاحب انتقال فرما گئے، مرحوم دارالعلوم کے ابتدائی شعبۂ تعلیم القرآن کے بانی ارکان میں سے تھے۔

ایڈیٹر الحق کی تالیف "اسلام اور عصرِ حاضر" پر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا تبصرہ

عصر حاضر کے نئے تمدن نے یہ عنوان پیدا کر دیا کہ "اسلام اور عصر حاضر" ورنہ یہ عنوان اس لئے بے معنی ہے کہ اسلام ہر عصر کیلئے رہنما رہا ہے اور رہے گا خواہ وہ ماضی ہو یا حاضر ہو یا مستقبل ہو کوئی دور اس سے باہر نہیں جا سکتا اس سے پہلے بھی بہت سے عصر حاضر گذرے ہیں اور اسلام نے انکے ساتھ مل کر انکی اصلاح کی ہے تاہم اس دور میں جو پیچیدہ مسائل نئے تمدن سے پیدا ہو گئے ہیں مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہٗ نے ان کا تجزیہ کر کے جو حصہ ان میں فطرت کے مطابق ہے اُسے باقی رکھا ہے اور جو وساوس واوہام سے متعلق ہے جس کے پیچھے کوئی حق یا حقیقت نہیں ہے اسے رد کر دیا ہے اور اسطرح بڑی قابلیت سے اسلامی مسائل کو بے غبار ثابت کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان عالی مضامین کو مخلوق کیلئے باعث رشد و ہدایت بنائے، آمین

محمد طیب غفرلہٗ

رئیس جامعۂ دارالعلوم دیوبند

۲۵ ۵/۹۸ ھ

حکومتِ پاکستان

پاکستان نارکوٹک کنٹرول بورڈ - بونیر پائلٹ پروجیکٹ - مینگورہ سوات

کوٹیشن نوٹس

بونیر پائلٹ پروجیکٹ کالونی کے لئے گورنمنٹ کے منظور شدہ آرکیٹکٹس سے جنہوں نے برائے موجودہ مالی سال ۸۰/۷۷/۱۹۷۷ء اپنی تجدیدی فیس جمع کرادی ہو، سربمہر کوٹیشن مطلوب ہیں جو مورخہ ۸۰/۵/۲۸ کو ۱۱ بجے دن تک وصول کئے جائیں گے اور اسی روز ۱/۲ ۱۱ بجے دن اُن کوٹیشن دہندہ گان کی موجودگی میں کھولے جائیں گے، جو حاضر ہونا چاہیں۔ زیر دستخطی کوئی بھی کوٹیشن بلا اظہار وجوہ منظور / مسترد کرنے کا مجاز ہے۔ آرکیٹکٹس کو کسی خاص ٹینڈر فارم کا پابند نہیں کیا جاتا ہے۔ کوٹیشن سے متعلقہ فرم کے اپنے شرائط کے علاوہ یہ واضح ہو۔ کہ کوٹیشن دہندہ کب اور کس لاگت پر اندازاً لائن پلین سپلائی کریگا۔ اور اس کے بعد کب اور کس لاگت پر بلڈنگ ڈرائینگ، ڈیزائن اور مکمل تخمینہ لاگت مہیا کرے گا۔ خواہش مند حضرات اگر موقعہ دیکھنا چاہیں تو اپنے خرچ پر ایسا کر سکتے ہیں۔ کالونی میں مکانات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	تفصیل مکانات	پلینت ایریا	تعداد مکان	تخمینۂ لاگت
1-	رہائشی مکان ٹائپ بی	2951 مربع فٹ	2	339,400/- روپے
2-	〃 〃 〃 سی	〃 2298	2	253,920/- 〃
3-	〃 〃 〃 ڈی	〃 1427	7	574,370/- 〃
4-	〃 〃 〃 ایف	〃 730	7	713,580/- 〃
5-	〃 〃 〃 جی	〃 496	6	171,120/- 〃
6-	〃 〃 〃 ایچ	〃 332	10	190,900/- 〃
7-	بارک ۲۵ اشخاص کیلئے	〃 840	1	48,300/- 〃
8-	ریسٹ ہاؤس	〃 1500	1	86,250/- 〃

امان گل خٹک
ڈپٹی پروجیکٹ ڈائریکٹر۔ پاکستان نارکوٹک کنٹرول بورڈ
بونیر پائلٹ پروجیکٹ - مینگورہ سوات

INF (P) 897

ایس اے
کے
شہرۂ آفاق
پنکھے

S.A

ملک بھر میں مقبول اور کامیاب
تسکین و آرام کے ضامن
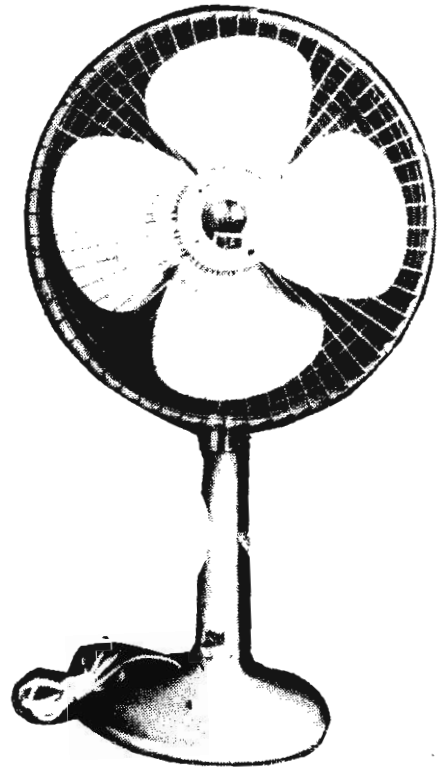
صوبہ سرحد میں ہمارے ڈیلرز

نقل سے بچنے کیلئے نامزد ڈیلروں سے رجوع کریں

۱۔ جمشید اینڈ برادرز ۔ نوشہرہ کینٹ ۔ فون ۴۷۱

۲۔ فضل غنی اینڈ سنز، ہوتی بازار ۔ مردان

۳۔ اتحاد کمبل ہاؤس، بٹ خیلہ بازار ۔ مالاکنڈ ایجنسی

۴۔ سلطان محمود، ڈیلر سنگر سیونگ مشین تحصیل بازار چارسدہ

۵۔ نیشنل لائیٹ ہاؤس، داس بازار ۔ بنوں

۶۔ امجد الیکٹرک سٹور، جیل روڈ، کوہاٹ

۷۔ اقبال ریڈیو ۱۰۶۲ شاہراہ پہلوی، پشاور کینٹ

منجانب بورڈ آف ڈائریکٹرز

فون ۔ 4700
گرام ۔ ESSAYFAN

ایس اے الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
جی ٹی روڈ گجرات

REGD-NO.P-90